رہے سلامت تمہاری نسبت

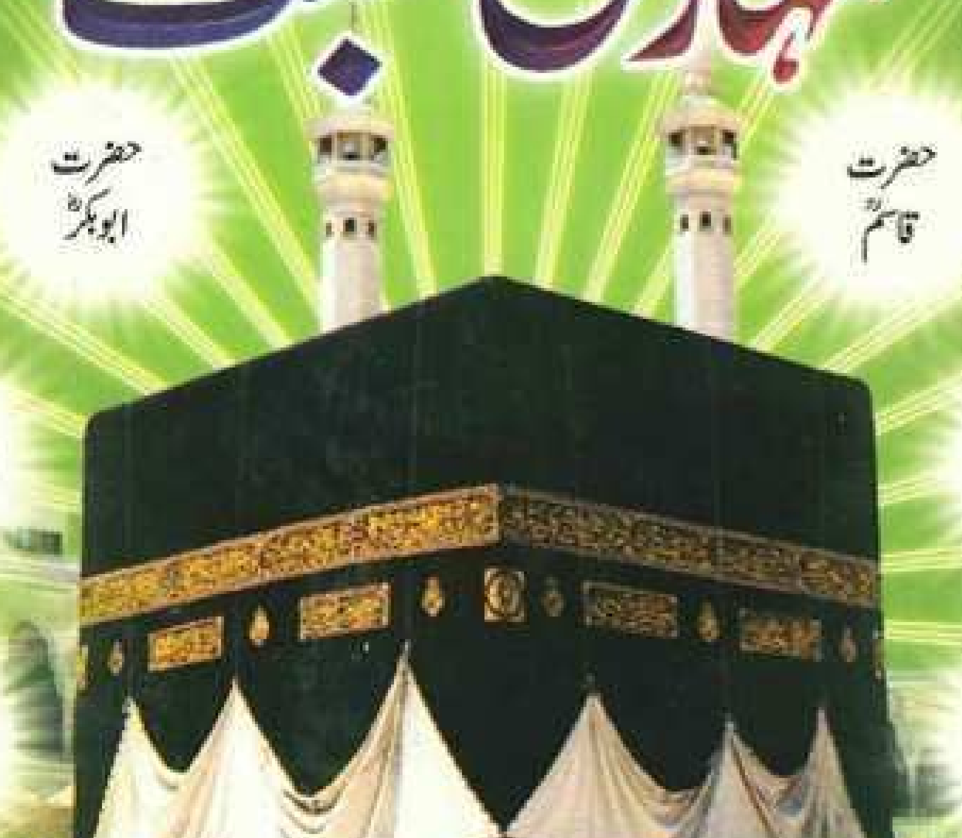

حضرت ابوبکرؓ

حضرت قاسمؒ

حضرت یعقوب چرخیؒ

حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ

حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ

حضرت بایزید بسطامیؒ

حضرت فضل علی قریشیؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

حضرت غلام حبیبؒ

حضرت خواجہ محمد معصومؒ

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

دار الکتاب دیوبند

باب 8

اجازت وخلافت

خلافت کیا ہے؟

مشائخ طریقت کا یہ دستور رہا ہے کہ بعض سالکین کو تکمیل سلوک کے بعد طریقہ آگے سکھانے کے لئے اجازت بیعت عطا کرتے ہیں جسے عرف عام میں "خلافت" کہتے ہیں۔ یہ اجازت وخلافت ایسے ہی ہے جیسے مدارس سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد سند فراغت عطا کی جاتی ہے۔

مدارس سے سند فراغت حاصل کرنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب ان کو ایسا تبحر علمی حاصل ہو چکا ہے کہ مزید علم کی ضرورت نہیں رہی۔ بلکہ یہ سند فراغت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایسی علمی سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ وہ آگے علم پڑھا بھی سکتے ہیں اور درس وتدریس سے اور مزید مطالعہ سے اپنی ذاتی قابلیت میں مزید اضافہ بھی کر سکتے ہیں۔ یہی حال اجازت وخلافت کا ہے۔ خلافت ملنے کا مطلب یہ ہے کہ موصوف باطنی طور پر ایسی سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ اب اگر وہ اپنا حلقہ احباب میں مصروف ہو جائیں تو صرف اب وہ دوسروں کی باطنی اصلاح کا سبب بنیں گے بلکہ خود ان کی بھی ترقی

اسی کام میں ہوتی جائے گی۔

خلافت کا مقصد

خلافت کا مقصد طریقہ کی نشر واشاعت ہے۔ تاکہ دعوت وارشاد کے کام کو آگے بڑھایا جائے اور لوگوں کو خدا سے جوڑا جائے۔ اب یہ ایک بوجھ اور ذمہ داری خلیفہ مجاز پر ڈالی جاتی ہے کہ وہ سلسلہ کی اشاعت کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لائے گا۔ اور لوگوں کی اصلاح کا سبب بنے گا۔ اجازت و خلافت حاصل ہونے کے بعد جو حضرات اس کا حق ادا کرتے ہیں طریقہ پر خود بھی کاربند رہتے ہیں اور اس کی ترویج واشاعت کرتے رہتے ہیں تو اس کے ضمن میں ان کے اپنے باطنی کمالات میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اور جو اس کا حق ادا نہیں کرتے اور اس کو آگے تعلیم کرنے سے غفلت کرتے ہیں وہ رفتہ رفتہ اس کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ جیسے مدرسہ سے فارغ ہونے کے بعد کوئی عالم اگر درس و تدریس میں مشغول ہو جائے تو اس کے علم کا نور اور بڑھتا رہتا ہے اور اگر وہ عالم کسی اور پیشے میں لگ جائے تو آہستہ آہستہ اس کی قابلیت علمی جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی سالانہ وصیت بسلسلہ خلفاء میں یہ لکھا کرتے تھے کہ فلاں صاحب دوسرے مشغلے میں لگ گئے ہیں اور اس کام کو چھوڑ دیا ہے لہٰذا ان کا نام اس فہرست سے خارج کرتا ہوں۔

نسبت اور خلافت میں فرق

یہ جان لینا چاہئے کہ نسبت اور خلافت میں فرق ہے۔ نسبت تو تعلق مع اللہ کی ایک باطنی حالت کا نام ہے۔ اور خلافت اس اجازت اور ذمہ داری کو کہتے ہیں جو

...کسی صاحب نسبت کو عطا کر دیتا ہے۔ عام طور پر لوگ اس فرق کو نہیں سمجھتے۔ ...نوں کا فرق واضح کرنے کے لئے کچھ نکات بیان کیے جاتے ہیں۔

نسبت	خلافت
(1) نسبت ایک باطنی کیفیت کا نام ہے۔	خلافت ایک ذمہ داری کا نام ہے۔
(2) نسبت ایک کسبی چیز ہے جو ہر شخص کو محنت ...مجاہدے سے حاصل ہو سکتی ہے۔	خلافت ایک انتظامی نوعیت کی چیز ہے جو اشارہ غیبی سے شیخ کسی کو عطا کرتا ہے۔
(3) نسبت ایک نعمت ہے۔	خلافت ایک بوجھ ہے۔
(4) نسبت کے حصول کیلئے کوشش کرنی چاہئے	خلافت کے ملنے سے ڈرنا چاہئے
(5) نسبت کی تمنا کرنی چاہئے۔	خلافت کا مانگنا تصوف کی لائن میں شرک ہے۔
(6) صاحب نسبت ہونا اس امر پر دلالت کرتا ...ہے کہ موصوف کو ایک خصوصی تعلق مع اللہ نصیب ...ہے۔	صاحب اجازت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ موصوف دوسروں کو اس نعمت کی تعلیم دے سکتا ہے۔
(7) یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص صاحب نسبت تو ہو ...صاحب خلافت نہ ہو۔	جو صاحب خلافت ہوتا ہے اس کے لئے صاحب نسبت ہونا ضروری ہوتا ہے۔

...جازت دینے میں مشائخ کا معمول

اجازت دینے میں مشائخ کا طریقہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ سالک کو کچھ عرصہ ...پنے پاس رکھ کر محنت مجاہدہ کرواتے ہیں اور باطنی توجہ دیتے ہیں۔ جب وہ اپنی ...راست سے دیکھتے ہیں کہ اس کے قلب اور نفس کی اصلاح ہو چکی ہے اور وہ اس ...ہاہے کہ دعوت وارشاد کا کام کر سکے تو پھر اسے خلافت دے دیتے ہیں۔ تاہم

بعض حضرات کے ہاں تسہیل پائی جاتی ہے یعنی وہ تھوڑی ہی محنت کے بعد اجازت دے دیتے ہیں جیسے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ کے ہاں خلافت جلد دے دی جاتی تھی، اور بعض حضرات کے ہاں سختی پائی جاتی ہے جیسے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بہت محنت اور مجاہدہ کرواتے تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے ہاں بھی یہی حال تھا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ کے بعض خدام ان کی وفات کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہوئے اور عرض کیا کہ ہمیں حضرت کی طرف سے اجازت بیعت دے دی گئی ہے تو حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ بھئی میرے ہاں تو ابھی کچھ کام کرنا پڑے گا۔ کسی کو اجازت وخلافت دینے میں جو بھی کوئی حکمتیں ہوتی ہیں وہ مشائخ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کسی کی باطنی حالت کیا ہے اور اس سے کب، کہاں، اور کیسے دین کا کام کرواتا ہے۔ اس ضمن میں کبھی تو ان کو کشفی یا وجدانی طور پر اشارے ہو جاتے ہیں اور کبھی وہ اپنے دوسرے خلفاء سے بھی مشورہ کر لیا کرتے ہیں۔

کسی کو اس فکر میں مبتلاء ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ فلاں کو اجازت کیوں ملی ہے۔ تاہم ایک بات پکی ہے کہ جو کوئی بھی نیک نیتی سے مشائخ کی خدمت میں رہتا ہے اور اپنی اصلاح کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے تو جب اللہ کے ہاں اس کی مقبولیت ہو جاتی ہے تو اس سے دین کا کام لینے کے لئے شیخ کے دل میں یہ بات ڈال دی جاتی ہے کہ اسے خلافت دی جائے۔ جب مشائخ اپنی باطنی فراست سے اس امر کو جان لیتے ہیں تو پھر وہ خلافت دینے سے رک نہیں سکتے۔ یہ نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی سے خلافتیں بانٹتے پھرتے ہیں بلکہ یہ ایک امانت اور بوجھ ہوتا ہے جو انہوں نے آگے پہنچانا ہوتا ہے۔ اور جب انہیں اس کا اہل کوئی بندہ نظر

آ جاتا ہے تو پھر وہ اس امانت کو اس کے سپرد کر دیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے حکم فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کر دو۔

ایک مرتبہ ایک عالم اس عاجز سے بیعت ہوئے۔ نیکی اور تقویٰ کا نور ان کے چہرے سے عیاں تھا۔ ان کو اسباق و معمولات بتا دیئے دو سال کے بعد ان کی باطنی کیفیات کو دیکھتے ہوئے جی چاہتا تھا کہ ان کو کچھ دن اپنے پاس رکھوں اور سلوک کی تکمیل کروا دوں لیکن درس و تدریس کی مشغولیت ان کیلئے رکاوٹ تھی۔ عاجز کے دل میں یہ بات آ رہی تھی کہ ان کو خلافت دینی چاہئے لیکن چونکہ ان کو نسبت کم ملی تھی اس لئے عاجز ذرا تامل کر رہا تھا۔ ایک دن دوپہر کو قیلولہ کی نیت سے سویا تو حضور نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ اپنی نسبت کی سلامتی چاہتے ہو تو انہیں اجازت دے دو۔ اب عاجز کیا بتائے کہ پھر مغرب کی نماز تک کا وقت بھی بڑی مشکل سے گزارا اور نماز کے بعد انہیں اجازت وخلافت دے کر رخصت کیا۔

اجازت کی دو قسمیں

بعض مشائخ کے ہاں اجازت بھی دو طریق پر ہوتی ہے۔ ایک قسم تو وہ ہے کہ باقاعدہ خلافت دے کر آگے بیعت کرنے کی اجازت دے دی ان کو مجاز بیعت کہا جاتا ہے۔ اور دوسری قسم یہ ہے کہ کسی کو یہ اجازت دے دی کہ اللہ کا نام لوگوں کو بتا دیا کرو یا ذکر کا حلقہ لگا لیا کرو ان کو مجاز صحبت کہتے ہیں۔ یہ دوسری قسم کی اجازت اول درجے کی نہیں ہے یعنی باقاعدہ خلافت نہیں ہے۔ لہذا اس بات کو خوب ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے۔ چنانچہ حضرت مہاجر مکیؒ کا یہ قول ہے کہ ''میرے خلفاء دو قسم

کے ہاں ایک وہ جنہیں میں نے ازخود بلا درخواست اجازت دی ہے۔ وہی اصل خلفاء ہیں۔ دوسرے وہ جنہوں نے درخواست کی کہ اللہ کا نام بتا دیا کروں میں نے کہا بتا دیا کرو، یہ اجازت پہلے درجے کی نہیں ہے"

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں مجازین کے باقاعدہ دو طبقے تھے۔ ایک مجازین بالبیعت اور دوسرے مجازین بالصحبت۔ دونوں کا درجہ مختلف ہوتا تھا۔

علمائے کرام اور خلافت

نسبت کے نور کا علم دین سے ایک خاص تعلق ہے۔ علماء حضرات کے سینے نسبت کا نور حاصل کرنے کے لئے بہت زرخیز ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے تحصیل علم کی راہ میں جو محنت مجاہدہ کیا ہوتا ہے وہ اس کے حصول میں معاون بن جاتا ہے۔ لہٰذا جس بندے نے بھی نیک نیتی سے دینی علوم کو حاصل کیا ہوتا ہے، وہ عوام الناس کی نسبت جلدی اس نعمت کو حاصل کر لیتا ہے۔ علماء حضرات علم تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اس علم کا نور اور اس کی حقیقت ان کو تبھی حاصل ہو سکتی ہے جب وہ کسی صاحب نسبت کی خدمت میں رہ کر اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھا لیں۔ علم شریعت ایک رنگ ہے علماء کرام رنگ فروش ہیں اور مشائخ عظام رنگریز ہیں جو شریعت کا رنگ بندے پر چڑھا دیتے ہیں۔ کسی عالم دین کا کسی اللہ والے کے پاس آنا ایسے ہی ہے جیسے کوئی اپنے چراغ میں تیل اور بتی لے کر آئے اب شیخ نے اس کو صرف دیا سلائی ہی دکھانی ہوتی ہے، چراغ جل جاتا ہے۔

علماء حضرات اس راستے کے ادب آداب کے ساتھ شیخ کی خدمت میں وقت گزاریں اور تھوڑی سے توجہ فرمائیں تو اس نسبت کو جلدی پا لیتے ہیں۔ ان کی

حیثیت نور علی نور کی سی ہوتی ہے کہ ایک تو علم کا نور اور دوسرا نسبت کا نور یہی وجہ ہے کہ ان کو خلافت کا اہل جانتے ہوئے جلد خلافت دے دی جاتی ہے کہ ایسے حضرات معاشرے میں مقتداء بننے کے زیادہ اہل ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس عوام الناس میں سے کوئی نسبت کا نور حاصل کرنا چاہے تو اس کو محنت اور مجاہدہ زیادہ کرنا پڑتا ہے۔ اس راہ میں زیادہ وقت لگانا پڑتا ہے۔ لیکن جب نسبت کی نعمت حاصل کر لیتا ہے تو اب وہ بھی خالی نہیں رہتا۔ اس کی بصیرت تیز ہو جاتی ہے اور فکر میں علوم شریعت تک رسائی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کی طبیعت شریعت کے موافق ہو جاتی ہے۔ عام طور پر یہ حضرات اگر ذرا توجہ کریں تو دینی علوم کو جلدی سمجھ لیتے ہیں اور جلدی حاصل کر لیتے ہیں اور بعض تو ایسے کامل ہوتے ہیں کہ ان کو علم لدنی حاصل ہو جاتا ہے۔ اس بات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علم شریعت اور علم حقیقت کا ایک دوسرے سے چولی دامن کا ساتھ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اکابر علمائے دیوبند جب سند فراغت حاصل کر لیتے تھے تو اس کے بعد ان کے لئے یہ ضروری ہوتا تھا کہ کسی صاحب نسبت بزرگ کے پاس رہ کر اپنی اصلاح کروائیں۔ بلکہ پہلے پچاس سال تک تو یہ معمول رہا کہ اس وقت تک ان کو دستار فضیلت نہیں باندھی جاتی تھی جب تک وہ علوم ظاہرہ سے فراغت کے بعد کسی اللہ والے کے پاس رہ کر باطنی نعمت نہ حاصل کر لیتے۔ پچاس سال بعد جب دیکھا گیا کہ اب حالات ایسے نہیں ہیں کہ طلباء زیادہ وقت دے پائیں تو پھر ان کو دستار فضیلت اس شرط کے ساتھ باندھ دی جاتی تھی کہ وہ اپنے اپنے مقام پر کسی اللہ والے سے یہ نعمت حاصل کریں گے۔

خلافت ملنے کے واقعات

حضرت سید احمد شہیدؒ کی خلافت

حضرت سید احمد شہیدؒ پہلے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے بیعت ہوئے تھے۔ حضرت شاہ صاحب نے ان کو قریب ہی مسجد میں جس میں شاہ صاحب اور طلباء نمازیں پڑھا کرتے تھے ٹھہرا دیا اور کہا کہ تعلیم حاصل کرو اور ہمیں ہر آٹھویں روز ملا کرو۔ ۶ ماہ تک وہ تعلیم حاصل کرتے رہے۔ چھ ماہ کے بعد حضرت شاہ صاحب کے خاندان میں کوئی شادی کی تقریب تھی۔ اس تقریب میں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین تینوں بھائی موجود تھے اور شامیانہ لگایا جا رہا تھا۔ اس جگہ پر نیم کا ایک درخت تھا جس کی رکاوٹ سے شامیانہ میں جھول آ جاتا تھا۔ اتنے میں سید احمد صاحب بھی تشریف لے آئے۔ آپ نے دیکھا تو کرتا کمر سے باندھا اور نیم پر چڑھ گئے، اوپر کھینچ کر شامیانے کو کھینچا تو وہ بالکل صحیح تن گیا اور جھول نکل گیا۔ سید صاحب کی یہ دھج شاہ عبدالقادر صاحب کو پسند آ گئی اور انہوں نے شاہ عبدالعزیز صاحب سے عرض کیا کہ سید احمد کو مجھے دے دیجئے۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ لے جاؤ اور سید صاحب سے کہہ دیا کہ میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ ان کو اپنے پاس اکبری مسجد لے آئے اور ایک حجرہ دے دیا اور کچھ ذکر اذکار تعلیم کیے اور فرمایا کہ میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر ذکر کیا کرو۔ سید صاحب نے اس حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرنے میں لگ گئے۔ جو جگہ شاہ صاحب نے ان کو بتا دی سید صاحب خواہ بارش ہو آندھی یا دھوپ برابر اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے اور جب تک شاہ صاحب

کہتے اس وقت تک نہ اٹھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے سید صاحب کو ڈھائی برس تک اپنے پاس رکھا اور پھر ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ یہ سید احمد صاحب ہیں ان کو پرکھ لیں۔ شاہ صاحب نے کہا میاں عبدالقادر تم جو کچھ کہتے ہو ٹھیک کہتے ہو۔ اب ان کو بیعت کی اجازت دے دو۔ شاہ عبدالقادرؒ نے عرض کیا کہ حضرت اجازت انہیں آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ کا ہی سلسلہ چلے گا۔ شاہ صاحب نے ان کو اجازت دے دی۔

بیعت کے ساتھ ہی اجازت وخلافت

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک آدمی آیا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک دن اپنے پاس رکھا، توجہات دیں اور دوسرے دن اس کو اجازت وخلافت دے دی۔ جو لوگ سالہا سال سے رہ رہے تھے وہ کہنے لگے، حضرت! ہم تو آپ کی خدمت میں کئی کئی سالوں سے موجود ہیں لیکن آپ کی مہربانی اس پر ہوگئی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہاں، وہ اپنے تیل اور بتی کو ٹھیک کر کے آیا تھا، میں نے تو فقط اس کے چراغ کو روشن کیا ہے۔ آج کل کے سالک تو ایسے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ تیل بھی پیر ڈالے اور بتی بھی پیر لائے ہمارا یہ احسان کافی ہے کہ ہم نے بیعت کر لی ہے۔

حضرت عبدالمالک صدیقیؒ کی یادداشتیں

حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے دادا پیر ہیں اور حضرت حضرت مولانا پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب ''تجلیات'' میں بعض خلفاء کو اجازت دینے کے

حالات درج کیے ہیں۔

فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ دہلی کے سفر میں میں اپنے شیخؒ کے ساتھ تھا۔ ہم کوچہ چنڈت میں قاضی ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت نے ارادہ فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ اور کچھ دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کو چلیں۔ میں چونکہ بیمار تھا سر میں درد تھا حضرت نے مجھے فرمایا کہ تم آرام کرو۔ مولانا عبدالغفور مدنیؒ مولانا قمر باباؒ وغیرہ علماء موجود تھے وہ حضرت شیخ کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئے۔ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ حضرت کچھ حضرات کو ماذون (اجازت عنایت) فرمادیں۔ ساتھ ہی بڑی عاجزی سے مولانا عبدالغفور مدنیؒ کی سفارش کی کہ ان کی خدمت بہت ہے، اس دوران میرے کچھ آنسو بھی گرے۔ فرمایا بہت اچھا واپسی پر مشورہ کریں گے۔ حضرت جب واپس تشریف لائے تو آتے ہی سب کو کہا کہ آپ بڑے کمرے میں بیٹھیں اور مجھ سے تخلیہ میں آہستگی سے فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے مجھے خرقہ مبارک عطا فرمایا ہے اور میں نے تیری سفارش کی کہ اس کے لئے بھی خرقہ مبارک عطا کیا جائے، حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا کہ اس کو تو میں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ پھر حضرت نے مجھ سے فرمایا تیرا جو یہ حال تھا تو نے مجھے پہلے کیوں نہ اپنی حالت بتائی۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ حضرت بشارت تو مجھے پہلے دی گئی تھی لیکن عاجز نے محض اپنا تخیل سمجھتے ہوئے عرض نہیں کیا، اب آپ کو بھی اس امر کے بارے میں بتایا گیا ہے تو یقین ہوا ہے۔ فرمایا جو کوئی بھی واردات گزرے لکھ بھیجا کرو یہ تخیل نہیں ہوتا۔ پھر فرمایا کہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ نے تیرے متعلق مجھے فرمایا کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ جس کے متعلق اجازت دینے کا کہیں انکار نہ کرنا کیونکہ ان کی خدمات

ہمارے ہاں قبول ہو چکی ہیں۔

میں جب کمرے سے باہر نکلا تو مولانا قاضی عبدالرشید صاحب عرف قمر بابا بڑے کمرے سے جماعت صلحاء سے نکل کر باہر آئے اور میرے کان میں کہا کہ آج فیاضی کا دن ہے بخل نہ کرنا۔ یہ ان کی فراست تھی حالانکہ وہ ہمارے کمرے میں ہونے والی گفتگو سے بالکل ناواقف تھے۔ میں نے مولانا سید امیر علی صاحب کو کہا کہ ۱۹ اجازت نامے تیار کرلیں۔ پھر حضرت شیخؒ کے حکم پر اجازت نامے ان کی خدمت میں پیش کیے حضرت نے فرمایا ٹھیک ہے دستخط سب پر کردیتا ہوں۔ اس کا اظہار اور دینے میں ذرا صبر کرنا جب سلوک کی تکمیل کرلیں تو ان کو رفتہ رفتہ دیتے رہنا۔ چنانچہ اس وقت سات علمائے کرام کو بلا کر حضرت کے سامنے پیش کیا۔ جن میں قاضی عبدالرشیدؒ عرف قمر بابا صاحب، مولانا سید امیرؒ صاحب، مولانا عبدالغفور مدنیؒ صاحب شامل تھے باقی کے نام اب یاد نہیں۔ حضرت نے ان کو کلمات ماذونیت (کلمات خلافت) پڑھائے اور سند خلافت عطا فرمائی۔

خلفائے کرام کی ذمہ داریاں

شیخ کے اجازت وخلافت پانے کے بعد کچھ باتیں ایسی ہیں جن کا خلفاء حضرات کو خیال رکھنا ضروری ہے وہ درج ذیل ہیں۔

یہ نہ سوچیں کہ ہم کامل ہو گئے ہیں

خلفاء حضرات کو اس بات کا بہت اہتمام کرنا چاہئے کہ اپنی خلافت پر کسی قسم کا

عجب یا گھمنڈ دل میں پیدا نہ ہو۔ خلافت ملنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ اوصاف نسبت میں درجہ کمال کو پہنچ گئے ہیں بلکہ ان کو اس ظن غالب پر اجازت دی جاتی ہے کہ ان کو فی الحال تو ان اوصاف میں درجہ ضرور یہ حاصل ہو گیا ہے اور اگر وہ محنت کرتے رہے اور کام کی تکمیل کیلئے متفکر رہے تو امید ہے کہ ان کو ان اوصاف میں کمال کا درجہ بھی حاصل ہو جائے گا۔

چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کی بیعت کے آٹھویں روز خلافت دے دی اور ساتھ فرمایا کہ میاں رشید احمد جو نعمت حق تعالیٰ نے مجھے دی تھی وہ آپ کو دے دی آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ اس وقت میں حیران تو ہوا کہ آخر وہ کونسی چیز ہے جو حضرت نے مجھے عطا کی ہے آخر پندرہ برس کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ وہ کیا تھا۔ تو اس بات سے اندازہ کریں کہ جب حضرت گنگوہیؒ جیسی آفتاب و ماہتاب شخصیت کو یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ نعمت آپ کو دی ہے اب آپ اس کو بڑھائیں تو ہم کس باغ کی گاجر مولی ہیں۔

حضرت حکیم الامتؒ تو فرماتے ہیں کہ ''مشائخ بعض اوقات کسی نا اہل کو اس میں شرم وحیا کا مادہ دیکھ کر اس امید پر مجاز کر دیتے ہیں کہ دوسروں کی تربیت کرے گا تو اس کی لاج و شرم رکھتے ہوئے اپنی بھی اصلاح کر لے گا یہاں تک کہ ایک دن کامل ہو جائے گا'' یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی بگڑے ہوئے نوجوان کی اس کے والدین اس امید پر شادی کر دیتے ہیں کہ شادی کے بعد یہ درست ہو جائے گا۔

ان باتوں سے یہ بھی نہ سمجھنا چاہئے کہ مشائخ ہر نا اہل کو اجازت دے دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مشائخ کے یہاں مجاز کرنا مختلف عوامل کی بناء پر ہوتا ہے تو

اجازت مل جانے کو اپنے کمال کی دلیل نہ سمجھنا چاہئے۔ بعض واقعات تو ایسے بھی سنے ہیں کہ شیخ تو کامل نہ تھا لیکن مریدین کے اخلاص کی وجہ سے اس کی بھی ترقی ہو گئی۔

واقعہ: ایک ڈاکو تھا، وہ اپنی ضعف و پیری میں شیخ بن گیا اور لوگوں کو بیعت بھی کرنا شروع کر دیا۔ اللہ کے یہاں تو اخلاص کی قدر ہے چنانچہ طالبین کو ان کے اخلاص کی وجہ سے خوب فائدہ ہوا اور روحانی طور پر کشف بھی ہونے لگ گئے۔ ایک مرتبہ ان طالبین کی جماعت نے شیخ سے عرض کیا کہ ہم نے مراقبے میں مشائخ کے مقامات کو دیکھا ہے اور سب اکابر کے مقامات معلوم ہو گئے۔ مگر حضرت کا مقام شائید اتنا بلند ہے کہ ہم سب مل کر بھی اس کو نہیں پہچان سکے۔ اللہ تعالیٰ کے نام میں برکت تو ہوتی ہی ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ اللہ کے نام میں برکت ہوتی ہے چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے چنانچہ اس مصنوعی پیر پر بھی اللہ کے نام کا اثر ہو کر رہا۔ وہ مریدوں کی یہ بات سن کر بہت رویا اور پھر اس نے اپنی حقیقت ان کے سامنے بیان کی اور رو کر مریدوں سے درخواست کی کہ اب تم میری توبہ کے لئے دعا کرو۔ ان سب نے مل کر دعا کی تو اللہ نے اس پیر کو بھی نواز دیا۔

اصل چیز اخلاص ہے جس کی وجہ سے پیر کا نا اہل ہونا بھی مرید کے اخلاص کی بدولت اس کو مضر نہیں ہوتا۔ لہذا خلفاء حضرات کو اپنے آپ کو نا اہل ہی سمجھنا چاہئے۔ حضرت سہارنپوریؒ اپنے ایک مکتوب میں اپنی عاجزی کا اظہار ان الفاظ سے کرتے ہیں:

''میری مثال تو ایک نل کی سی ہے۔ پانی کھینچنے والا جس قوت سے پانی کھینچتا ہے مبداء فیض کی طرف سے اسی کے موافق عطا ہوتا ہے لیکن عطا

ہوتا تو انہی کے واسطے سے ہے"

توفیض تو پیچھے سے آتا ہے اور آتا بھی طالب کی طلب کے بقدر ہے مجازین تو درمیان میں محض ایک واسطہ ہیں جو بڑوں کی طرف سے مامور کیے گئے ہیں۔ حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ

اصل چیز طلب ہے، اسی طلب پر اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں جیسے بچے کو ماں کے دودھ کی طلب ہوتی ہے تو دودھ اس کے اثر سے اترتا ہے۔ تو ماں کو ناز نہ کرنا چاہئے کہ دودھ میں دیتی ہوں، دودھ خود بچے کی طلب کا اثر ہے، تجھے اسی واسطے عطا فرمایا ہے کہ تو بچے کو دے البتہ بچے کو ضروری ہے کہ اس کو اپنا محسن سمجھے۔

مریدین کی کثرت پر نازاں نہ ہوں

خلفاء کرام کو چاہئے کہ خلوص دل سے رجوع الی اللہ کے ساتھ دعوت کا کام کرتے رہیں اور اپنے مریدوں کو اللہ اللہ سکھاتے رہیں۔ اپنے حلقہ ارادت کے بڑھنے پر نازاں نہ ہوں کہ میری خوبیوں کی وجہ سے لوگ مطیع ہو رہے ہیں بلکہ عاجزی اور انکساری ہونی چاہئے۔ کہ یہ محض پروردگار کا فضل ہے کہ وہ مجھ سے کام لے رہے ہیں ورنہ میں اس قابل نہ تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کا حلقہ ارادت بہت بڑا تھا لیکن ان میں عاجزی اتنی ہی زیادہ تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ ہم تو ہر ایک کو اس لئے بیعت کر لیتے ہیں کہ کل روز قیامت جب یہ جنت میں جارہے ہوں گے تو ہو سکتا ہے اپنے پیر کو جہنم میں جاتا دیکھ کر لحاظ کر جائیں اور سفارش کر دیں۔ لہذا یہ میری نجات کا ذریعہ بن جائیں گے اس لئے میں ان کو بیعت کر لیتا ہوں۔

خلفاء اگر طالبین میں احوال وکیفیات دیکھیں تو بھی عجب میں مبتلا نہ ہوں کہ میری صحبت اور توجہ کی برکات ہیں کیونکہ طالب کو جو کچھ ملتا ہے اپنی طلب اور خلوص کے بقدر ملتا ہے۔ کسی کا کوئی کمال نہیں ہوتا۔

واقعہ: ایک شخص نے جوانی غفلت کے کاموں میں ضائع کی۔ جب بڑھاپا آیا اور اعضاء نے جواب دینا شروع کر دیا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا پیشہ اختیار کیا جائے۔ ساتھیوں نے بتلایا کہ پیری مریدی ایک ایسا پیشہ ہے جس میں بغیر محنت مشقت خوب مزے ہوتے ہیں۔ چنانچہ اب وہ پیر بن بیٹھا۔ اس مصنوعی پیر کے پاس ایک سچا طالب آ پہنچا۔ اس نے بہت ادب سے ہاتھ جوڑ کر کہا میں آپ سے اللہ کا راستہ سیکھنے کے لئے آیا ہوں، وہ سالک چونکہ غلطی سے بے وقت پہنچ گیا تھا اس لئے وہ مصنوعی پیر اس کے بے وقت آنے پر بہت ناراض ہوا اور کہا کہ اللہ کا راستہ یوں نہیں آتا۔ یہ کہہ کر اس کو ایک پھاوڑا دیا اور کہا کہ فلاں باغ میں اس کی زمین میں گوڈی کرو، کیاریاں بناؤ اور پانی دو۔ وہ اسی وقت پھاوڑا لے کر اس باغ میں پہنچا اور اس کی مرمت شروع کر دی باغ والے مزاحم ہوئے کہ تو ہمارے باغ میں کیوں دخل دیتا ہے۔ اس نے بہت منت خوشامد کر کے کہا کہ مجھے تمہارے باغ سے کچھ نہیں لینا مجھے میرے پیر نے اس باغ کے صاف کرنے اور مرمت کرنے کو کہا ہے۔ اول اول تو وہ لوگ بہت ڈرتے رہے اس کو مارا پیٹا بھی۔ مگر یہ دیکھ کر کہ یہ نہ کھانے کو مانگتا ہے نہ اور کچھ، جو کچھ روکھی سوکھی ہوتی ہے وہ کھا لیتا ہے۔ تین مہینے اسی حال میں گزر گئے، اسی دوران ابدال میں سے کسی کا انتقال ہوا تو اولیاء وقت کی مجلس میں اس کے بدل کا مشورہ ہوا، ابدال حضرات نے اپنی اپنی رائے سے لوگوں کے نام بتلائے قطب وقت نے سب کے

نام سن کر کہا کہ ایک نام ہمارے ذہن میں بھی ہے اگر تم پسند کرو، سب نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا کہ فلاں باغ کا فلاں مالی بڑا مخلص ہے سچی طلب رکھتا ہے، بہت اخلاص سے مجاہدہ میں مشغول ہے، سب نے اس رائے کو بہت پسند کیا۔ پھر سب نے اس پر توجہ ڈالی جس کی وجہ سے اسی وقت اس پر انکشافات ہوئے اور پھاوڑا باغ والوں کے یہ کہہ کر حوالہ کر دیا کہ یہ فلاں پیر صاحب کا ہے جو فلاں گاؤں میں رہتے ہیں اور میں جا رہا ہوں۔ ہر چند ان لوگوں نے خوشامد منت سماجت کی کہ ذرا اپنا حال تو بتلا دے مگر اس نے کچھ نہیں بتلایا اور کہا سنا معاف کرا کر وہیں سے غائب ہو گیا۔

تو یوں بھی ہوتا ہے کہ طالب کا اپنا خلوص اور طلب اللہ کے حضور قبول ہو جاتا ہے اور اس کا کام بن جاتا ہے۔ لہٰذا مریدوں کی کثرت پر یا ان کی بلند کیفیات کو دیکھ کر کسی عجب میں مبتلا نہ ہو جانا چاہئے۔

طالبین کی اصلاح سے غافل نہ ہوں

خلفائے کرام کو چاہئے کہ وہ طالبین کی اصلاح میں تساہل نہ برتیں۔ کیونکہ ہر مرید بیعت ہونے کے بعد شیخ کی ذمہ داری میں آجاتا ہے۔ بیعت ایک عہد کا نام ہے اور یہ عہد دونوں طرف سے نبھایا جانا ضروری ہے۔ مرید کی ذمہ داری اتباع ہے تو شیخ کی ذمہ داری اس کی اصلاح۔ لہٰذا اگر شیخ مرید کی اصلاح اور روک ٹوک میں غفلت کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بیعت کا مقصد پورا نہیں ہو رہا اور مرید کا وقت بھی ضائع ہو رہا ہے۔ یاد رکھیں کہ کل قیامت کے دن ہر ایک پیر کو زنجیروں میں جکڑ کر اللہ کے حضور پیش کیا جائے گا جن سے اس وقت تک چھٹکارا

نہیں ہوگا جب تک وہ اپنی صفائی نہیں دے دے گا کہ اس نے مریدوں کی اصلاح کا حق ادا کیا تھا۔

شیخ کا منصب ایسا ہے جس میں ڈانٹنا اور کہنا ضروری ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو ڈانٹ ڈپٹ اور دین سیکھنے سکھانے کا نام پیری مریدی ہے۔ شیخ کی جس مرید پر زیادہ نظر ہوتی ہے اسی کی ڈانٹ ڈپٹ زیادہ کرتا ہے۔ آج ایسے کاملین تھوڑے نظر آتے ہیں جو استغناء کے ساتھ بندے کو اللہ سے واصل کرنے کیلئے محنت کر رہے ہوں۔ آج کے پیر تو چپ شاہ بنے ہوئے ہوتے ہیں، مرید جو کچھ مرضی کرتے پھریں، سنت پر عمل ہو رہا ہو یا بدعت پر پیر صاحب تو چپ کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے پیر کی نظر مرید کے مال و منصب پر ہوتی ہے۔ آج پیر مرید بن کر رہتے ہیں اور مرید پیر بن کر رہتے ہیں۔ پیر مرید کی رضا حاصل کرنے کے لئے اس کی خدمت میں لگے ہوتے ہیں۔ ایسے پیر نے کسی کی کیا اصلاح کرنی ہے۔

واقعہ: حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ ان کی طبیعت بہت ہی نفیس تھی، کسی قسم کی کوئی کجی برداشت ہی نہیں ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ بادشاہ وقت ان کی زیارت کو آیا۔ کچھ دیر کے بعد اسے پیاس لگی تو قریب ہی ایک گھڑے سے پانی پیالے میں ڈال کر پیا۔ پانی پینے کے بعد گھڑے کے اوپر پیالہ رکھ دیا لیکن تھوڑا سا ٹیڑھا رکھ دیا۔ کچھ دیر کے بعد بادشاہ نے رخصت کی اجازت چاہی اور ساتھ ہی عرض کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں خدمت کے لئے کسی خادم کو آپ کے پاس بھیج دوں۔ اس پر آپ نے کہا کہ تم بادشاہ ہو اور تمہارا یہ حال ہے کہ گھڑے پر پیالہ ٹیڑھا رکھ دیا ہے جس

کی وجہ سے ابھی تک میرے سر میں درد ہو رہا ہے تمہارا خادم پتہ نہیں میرا کیا حال کر جائے گا۔

ہمارے اکابر تو اصلاح کے معاملے میں کسی کے مال و منصب کی پرواہ نہیں کرتے تھے چاہے وہ بادشاہ وقت ہی کیوں نہ ہو۔ مرشد عالم حضرت مولانا پیر غلام حبیب نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے "جب تک دب نہ ہو ادب نہیں ہوتا" لہٰذا وہ اپنے متوسلین کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر متنبہ کیا کرتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ان کے متوسلین آداب و سنن کا بہت ہی خیال رکھتے تھے اور ان کی مجلس میں بہت باہوش ہو کر بیٹھتے تھے۔

سلسلہ کی اشاعت پر تمام توانائیاں خرچ کر دیں

خلفائے کرام کو اپنی خلافت کے ملنے پر کسی عجب اور بڑائی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے لیکن اس مطلب یہ بھی نہیں کہ وہ اتنے منکسر المزاج ہو جائیں کہ جو ذمہ داری ان کو دی گئی ہے اسے ادا کرنے سے ہی گریز کریں کہ جی ہم اس قابل نہیں۔ آپ کو بڑوں کی طرف سے ایک اجازت دی گئی ہے اب کسی کو بیعت کرنے میں، کسی کو اللہ اللہ سکھانے میں شرم و جھجک نہیں ہونی چاہئے۔ اگر یونہی تساہل و تغافل برتیں گے تو یہ اس نعمت کی ناقدری ہوگی جس سے یہ دولت زائل بھی ہو سکتی ہے۔ آپ نے یہ کام کوئی اپنی طرف سے تو کرنا نہیں بلکہ آپ تو اس پر مامور کیے گئے ہیں۔ بڑوں کا حکم سمجھتے ہوئے قدم اٹھائیں پھر دیکھیں کیسے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔ پھر آپ نسبت کی برکات کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے کریں گے۔ اس ضمن میں ہمارے بڑوں کی مثالیں ہمارے لئے مشعل راہ کا کام کرتی ہیں۔

حضرت خواجہ عبدالمالک قریشیؒ کی مثال

حضرت خواجہ محمد عبدالمالکؒ چوک قریشی والے سلسلہ نقشبندیہ کے ایک بڑے بزرگ گزرے ہیں خود فرماتے تھے کہ میں اپنے شیخ خواجہ فضل علی قریشیؒ کی خدمت میں رہتا تھا۔ باقی پیر بھائی تو شیخ کی صحبت میں رہتے لیکن میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا۔ میں خانقاہ کے مہمانوں کی خدمت ہی کیا کرتا تھا اور پیرو مرشد کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہوا کہ تم عبدالمالک کو خلافت دے دو۔ فرماتے ہیں کہ جب خلافت ملی تو میں بہت حیران ہوا کہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔ ایک دو گھنٹہ تو روتا ہی رہا۔ دوسرے خلفا نے تسلی دی کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایک بوجھ سر پر رکھا ہے تو اٹھانے کی توفیق بھی دیں گے۔ کہنے لگے کہ میں نے اپنے دل میں نیت کر لی کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ امانت دے دی ہے۔ مگر میں یہ آگے کسی کو دینے کا اہل نہیں اس لئے میں کسی شخص کو بیعت نہیں کروں گا۔ اسی طرح حضرت کی خدمت میں ایک سال گزر گیا۔

ایک دفعہ سردیوں کے موسم میں آگ سینک رہے تھے کہ حضرت خواجہ فضل علی قریشیؒ میری طرف غصے سے دیکھا۔ میرے تو پاؤں کے نیچے سے زمین ہی نکل گئی۔ میں نے پوچھا حضرت! خیریت تو ہے؟ فرمانے لگے کہ ابھی ابھی مجھے کشف میں نبی ﷺ کا دیدار نصیب ہوا ہے۔ محبوب ﷺ نے فرمایا ہے کہ عبدالمالک سے کہو کہ اس نعمت کو تقسیم کرے ورنہ ہم اس نعمت کو واپس لے لیں گے، اور چونکہ محبوب ﷺ کی طرف سے یہ حکم ہے اس لئے تم اپنا بستر اٹھاؤ اور جیسے ہی اندھیرا ختم ہو اپنے گھر جاؤ۔ وہاں جا کے لوگوں کو اللہ اللہ سکھاؤ۔ میں تو روتا

رہ گیا اور حضرت نے میرا سامان میرے سر پر رکھا اور خانقاہ سے رخصت کر دیا۔ فرمانے لگے کہ میں نے نکلتے نکلتے کہا حضرت! میں اب کوئی معاشی کام کرنے کے قابل نہیں ہوں کیونکہ اتنے سال ذکر اذکار میں گزار دیئے، اس لئے میرے لئے رزق کی دعا فرما دیں۔ فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ط (اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے) میرے قریبی تعلق داروں اور رشتہ داروں میں کوئی ایک رشتہ گھر والوں نے پہلے ہی طے کیا ہوا تھا۔ چنانچہ گھر آتے ہی ماں باپ نے میری شادی کر دی۔ شادی کے ابتدائی دنوں میں کھانے کے لئے ہمارے پاس کچھ ہوتا ہی نہیں تھا۔ بیوی مجھے ایسی صابرہ ملی کہ وہ مجھے کہتی کہ آپ درخت کے پتے ہی لے آئیں۔ میں درخت کے پتے لاتا وہ بھی کھا لیتی میں بھی کھا لیتا اور ایک وقت کا گزارہ کر لیتے۔

ایک دن میرا ایک پیر بھائی میرے گھر آیا۔ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا ہوا تھا۔ جب وہ آنے لگا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسے ایک چھوٹی سی دس کلو گندم کی بوری دی اور ایک رقعہ دیا اور فرمایا کہ یہ عبدالمالک کو دے دینا۔

وہ دوپہر کو میرے گھر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ پسینے میں شرابور بوری سر پر اٹھائی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا، سناؤ بھئی! کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا، خانقاہ شریف۔ وہ یہ سمجھا کہ پوچھ رہے ہیں کہ کہاں سے آ رہے ہو؟ اب میں کچھ پوچھ رہا تھا وہ کچھ بتا رہا تھا۔ میں نے اسے بٹھایا کہ یہ خانقاہ شریف جا رہا ہے اور لنگر کے لئے یہ گندم لے کر جا رہا ہے۔ گھر آ کر بیوی سے کہا کہ مہمان کے لئے کھانا دو۔ اس نے کہا کہ گھر میں تو کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر بیوی سمجھدار تھی۔ اس نے مجھے کہا کہ اگر وہ حضرت کی خانقاہ کے لئے گندم لے کے جا رہا ہے تو اس سے جا کے

اجازت مانگ لو کہ ہم اس گندم میں سے تھوڑی سی پیس لیں۔ پھر اس آٹے کی روٹی پکا کر اس کو کھلا دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اس میں بھلا کونسی شرم کی بات ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اگر اجازت ہو تو اسی گندم میں سے تھوڑی سے روٹی بنادی جائے۔ وہ فرمانے لگے کہ میں یہ سمجھا کہ گندم تو گھر میں بھی پڑی ہے لیکن چونکہ آپ میرے حضرت سے لائے ہیں تو برکت کے لئے ہم اسی میں سے روٹی پکا دیتے ہیں۔ کہنے لگے کہ ہاں اسی میں سے پکا دیں۔ میں نے اس میں سے تھوڑی سی گندم لی، بیوی کو دی، اس نے چکی میں ڈالی اور آٹا نکال کر اور چکی کے پاٹوں کو اچھی طرف صاف کر کے پورے آٹے کی روٹی پکا کر سامنے رکھ دی۔

جب مہمان نے روٹی کھالی تو ہم نے اسے لسی پلا کے سلا دیا۔ سونے کے بعد جب وہ اٹھا تو اس نے ایک رقعہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بھی حضرت نے دیا ہے۔ تب بات سمجھ میں آئی کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے وہ گندم کی چھوٹی سی بوری اس عاجز کی خانقاہ کے لئے دی تھی۔ کہنے لگے کہ میں خانقاہ کا لفظ سن کے حیران ہوا۔ خود کھانے کو ملتا نہیں اور لنگر کے لئے گندم آئی ہے۔ میں نے بیوی کو جا کر بتایا۔ کہنے لگی کہ پڑھو تو سہی لکھا کیا ہے۔ میں نے پڑھا تو لکھا ہوا تھا کہ عبدالمالک! تم اللہ اللہ کرو اور کراؤ اور اس گندم کو کسی بند جگہ میں ڈال دو اور اس رقعے کو بھی اسی میں ڈال دینا اور ایک سوراخ بنا لینا اور اس میں سے تم گندم نکال کر استعمال کرنا، یہ تمہارے لنگر کے لئے ہے۔ نیچے لکھا ہوا تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۔ (اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

میری بیوی نے ایک بند جگہ میں وہ گندم ڈال دی۔ اوپر سے ڈھکنا اچھی طرح بند کر دیا۔ میری بیوی نے اس کے نیچے گندم نکالنے کے لئے سوراخ بنا دیا۔

وقتاً فوقتاً وہ اس میں سے کچھ گندم نکالتی اور استعمال کرتی۔ الحمد للہ آج اس گندم کو استعمال کرتے ہوئے ہمیں چالیس سال گزر گئے ہیں۔ آج بھی میری خانقاہ میں دو تین سو سالکین تک کا روزانہ مجمع رہتا ہے اور سال کے آخر پر ہزار سے زیادہ لوگ اجتماع میں شریک ہوتے ہیں۔ چالیس سال سے ہم لوگ اسی گندم کو استعمال کر رہے ہیں۔

الغرض کہ خلفاء حضرات اشاعت دین کے کام کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائیں اور اس طرح ڈٹ کر کام کریں کہ بس تمام توانائیاں اس میں لگا دیں۔ اللہ کے نام کو پھیلانے کیلئے اپنے چین و آرام کو قربان کر دیں اور جہاں کہیں بھی دین کا تقاضہ ہو پہنچیں۔

حضرت مرشد عالمؒ کی مثال

حضرت مرشد عالمؒ کی زندگی ہمارے سامنے ہے کہ کس طرح آخری وقت تک دعوت کا کام کرتے رہے۔ ۸۰ سال کی عمر میں شوگر بیماری تھی لیکن پھر بھی آخر وقت تک دین کا درد لے کر در بدر پھرتے رہے۔ تقریباً ۳۰ سے بھی زائد ممالک میں آپ نسبت کا نور لے کر پہنچے اور لوگوں کے دلوں کو منور کیا۔ حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے، جو قرآن کی خدمت کرتا ہے اسے روٹی بھی ملتی ہے اور بوٹی بھی ملتی ہے، کاریں بھی ملتی ہیں اور بہاریں بھی ملتی ہیں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ دین کے لئے اتنی محنت کرو کہ خالق اور مخلوق دونوں کو تم پر ترس آنے لگ جائے۔ آپ فرمایا کرتے تھے، کام کو آگے رکھو اور آرام کو پیچھے رکھو۔

ایک مرتبہ کسی ملک میں پہنچے دن رات کے سفر اور بیانات کی کثرت کی وجہ سے جسم تھک چکا تھا لیکن جذبہ تھا جو آپ کو لئے لئے پھر رہا تھا۔ بالآخر لوگوں نے

آپ کو ائر پورٹ پر خدا حافظ کہا سیکورٹی کی وجہ سے کوئی خادم تو لاؤنج سے جہاز تک جا نہیں سکتا تھا آپ خود ہی لڑکھڑاتے قدموں سے اپنا سامان اٹھائے جا رہے تھے۔ ایک سیکورٹی اہلکار نے آپ کو دیکھا تو آپ کا بیگ پکڑ لیا اور ساتھ چلا اور ساتھ ہی کہنے لگا کہ بڑے میاں اتنی عمر میں آخر آپ سفر کرتے ہی کیوں ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا بھئی تمہیں کیا بتاؤں کہ ایک بہت بڑا بوجھ میرے سر پہ ہے اسی کو لئے ہوئے در بدر پھر رہا ہوں۔

نقشبندی اجتماع کے موقع پر آپ کی مصروفیت بڑھ جاتی تھی، اجتماع کے انتظامات، آنے والے علماء کرام سے ملنا، پھر اجتماع گاہ میں طویل نشستیں، بیانات و ہدایات، سالکین پر باطنی توجہ، گھر جاتے تو تھکان کے آثار اماں جی محسوس کرتیں۔ ایک مرتبہ بیان کے دوران انتہائی ظرافت سے پنجابی میں فرمانے لگے کہ جب میں گھر جاتا ہوں تو میری اہلیہ مجھے کہتی ہے ''اتھاں تاں گجدے او تے گھر آ کے ہونگدے او'' کہ وہاں تو آپ بیان میں گرج رہے ہوتے ہیں اور گھر آ کر کمزوری سے ہونہہ ہونہہ...... کی آوازیں نکالتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میری نیند تو مرغے کی نیند کی مانند ہے۔ جیسے وہ چلتے چلتے ایک ٹانگ پر تھوڑی دیر اونگھ لیتا ہے مجھے بھی ایسے ہی چند منٹ کا موقع مل جائے تو نیند پوری ہو جاتی ہے۔

ان واقعات میں خلفائے کرام کے لئے سبق ہے کہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھائیں اور جو کام انہیں دیا گیا ہے اس کی تکمیل کو اپنی زندگی کی کرھن بنالیں۔

موت کے بعد ہے بیدار دلوں کو آرام
نیند بھر وہی سویا جو کہ جاگا ہوگا

دین کے لئے خون جگر پینا پڑتا ہے

جو دین کی خاطر بہت زیادہ قربانیاں دیتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے فیض کو جاری کر دیتے ہیں۔ جب دین کی خدمت کی ذمہ داری سر پر آجائے تو نہ صرف خواہشات کو بلکہ اپنی ضروریات کو بھی کم کر دیں اس لئے کہ ضروریات اگر محدود ہوں گی تو زیادہ کمانا نہیں پڑے گا اور وقت بچ جائے گا۔ وہی وقت پھر سلسلہ اور دین کے کاموں کی اشاعت پر لگا سکتے ہیں۔ قربانیاں کرنے سے ہی قبولیت ملتی ہے، گھر بیٹھے رہنے سے قبولیت نہیں ملتی۔ خون جگر پینا پڑتا ہے، دین کا غم کھانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر بات بنتی ہے۔ دین کی خدمت کو اپنا غم بنا لیجئے اور دن رات اس کے لئے کھپا دیجئے۔ اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اپنی معرفت کے پردوں کو کھولتا جائے گا۔ انسان کو اپنی اوقات کی پہچان نصیب ہو جائے گی اور آخرکار انسان دیوانۂ حق ہو جائے گا۔

نہیں دیوانۂ حق جو تیرا دیوانہ نہیں
ہائے وہ روح کہ جس نے تجھے پہچانا نہیں

عامل نہ بنیں کامل بنیں

کسی کو جب منصب خلافت پر فائز کیا جاتا ہے تو اب اس کی حیثیت اپنے اکابر کے ایک نمائندہ کی سی ہوتی ہے۔ اب وہ دین کا کام کرتا ہے تو اس کے مشائخ کی روحانیت اور دعائیں اس کی پشت پناہی کرتی ہیں۔ اب اسے چاہئے کہ اپنے

اکابر کی اس نسبت کی لاج رکھے اور اس نسبت کی حفاظت کرے۔ نسبت کے مل جانے کے بعد نسبت کے نور کو مزید بڑھانا چاہئے۔ نسبت کو مضبوط سے اضبط کر لینے سے مشائخ سے نسبت قوی ہو گی اور اس کی برکات اپنی آب و تاب سے ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔ جو کوئی بھی اپنی نسبت پر مضبوطی سے جما ہوا ہے اس کے پاؤں کے نیچے گویا ایک چٹان ہے۔ اس کے بیان میں تاثیر ہو گی، اس کے فیصلوں میں برکت ہو گی، اس کی دعاؤں میں قبولیت ہو گی، اس کی صحبت میں اثر ہو گا۔ الجھے ہوئے کام اس کی برکت سے سلجھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے حضرت مرشد عالمؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''کامل بنیں عامل نہ بنیں''۔ یعنی بندہ اگر اپنے کردار کو کمال درجے تک پہنچا دے تو پھر اسے کسی کی تسخیر کے لئے علیحدہ سے عملیات کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

حضرت گنگوہیؒ کا ایک واقعہ کتب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا اور آکر اپنی کوئی پریشانی کوئی گھریلو مسئلہ ان کی خدمت میں عرض کیا اور کہا کہ حضرت کوئی تعویذ بنا دیں تاکہ میری یہ پریشانی دور ہو جائے۔ حضرت نے انکار کیا کہ مجھے تعویذ بنانا نہیں آتا۔ اس آدمی نے اسرار کیا کہ نہیں حضرت ضرور بنا کر دیں۔ ادھر سے اصرار ادھر سے انکار جب کافی دیر انکار کے بعد وہ نہ مانا تو حضرت نے ایک کاغذ پر تعویذ بنا کر اسے دے دیا۔ وہ شخص تعویذ لے گیا استعمال کیا اللہ کے حکم سے اسے فائدہ ہو گیا۔ اب ایک دن اس کے دل میں خیال آیا کہ میں دیکھوں تو سہی تعویذ میں لکھا کیا تھا۔ اس نے کھول کر جو دیکھا تو لکھا تھا۔ ''یا اللہ! میں جانتا نہیں اور یہ مانتا نہیں''۔ یہ ہوتی ہیں کاملین کی برکات۔ جب کوئی اللہ کا منظور نظر بن جاتا ہے تو پھر اس کی الٹی بھی سیدھی ہو جاتی ہے۔

صاحب نسبت انسان کے سامنے شیاطین و جنات کی کارستانیاں بھی ماند پڑ جاتی ہیں اور وہ راستہ چھوڑ دیتے ہیں۔ کیونکہ نسبت کا نور ایسا نور ہے کہ جن و شیاطین بھی اس سے ڈرتے ہیں۔

اس کے برعکس بعض حضرات عملیات کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔ اس سے نہ صرف وہ نور نسبت جیسی مہتم بالشان چیز کے ناقدری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ عملیات کے چکر میں ایسے الجھتے ہیں کہ دعوت دین اور اللہ اللہ سکھانے کا جو اصل کام ان سے سپرد کیا گیا تھا اس کو تو چھوڑ دیتے ہیں اور لوگوں کے بگڑے کام بنانے کے چکروں میں خود الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ اور اس کو جب وہ مستقل مشغلہ بنا لیتے ہیں تو اس کی ایسی ظلمت پڑتی ہے کہ نور نسبت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ شیطان ان کو ہر وقت یہی پٹی پڑھاتا رہتا ہے کہ تم دکھی مخلوق کی خدمت کر رہے ہو۔ اسی آڑ میں وہ اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ یاد رکھیں کہ منصب خلافت کا ایک اپنا مقصد ہے کہ دعوت دین کا کام کیا جائے اور مخلوق خدا کو اللہ سے جوڑا جائے۔ اس اعلیٰ و ارفع مقصد کو چھوڑ کر ثانوی امور میں اپنی صلاحیتیں خرچ کرنے سے اس منصب کا حق ادا نہیں ہوگا۔

عملیات بھی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جس میں جنات وغیرہ کو مسخر کیا جاتا ہے۔ ان کی تو تصوف کی لائن میں قطعی اجازت نہیں ہے۔ دوسرے وہ اعمال قرآنی اور عملیات جو مشائخ سے منقول ہیں یا جن کی شیخ نے اجازت دے رکھی ہے ان کو درجہ ضرورت میں استعمال کرنے میں مضائقہ نہیں لیکن ان کی بھی زیادہ عادت نہ ڈالیں۔ اس سے ایک تو آپ کا وقت ضائع ہوگا دوسرا آنے والے متوسلین بھی خداطلبی کی نیت سے کم اور دنیاوی اغراض لے کر زیادہ آئیں گے۔

اس سے سلسلے کا کام متاثر ہوگا۔

امراء سے استغناء برتیں

خلفائے کرام کو جو نسبت والی نعمت ملتی ہے وہ ایسی نعمت ہے جس کے آگے دنیا کے سارے خزانے ہیچ ہیں۔ اللہ والے اس نعمت کی قدر کرتے ہیں وہ دین کا کام وقار سے کرتے ہیں اور امراء سے استغناء برتتے ہیں۔ ان کی نظریں دنیاداروں کی جیب پر ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے خزانوں پر ہوتی ہیں۔ لہٰذا اللہ کی رضا اور اس کی لقا کو پیش نظر رکھتے ہوئے بالکل بے طمع ہو کر کام کریں۔ جب آپ اعلائے کلمۃ اللہ کو اپنا غم بنالیں گے تو اللہ رب العزت آپ سے دنیا کے غم اٹھالیں گے۔ اور آپ کی ضروریات اپنے خزانوں سے پوری کردیں گے۔ جس کی کفالت کا ذمہ خود اللہ رب العزت نے اٹھایا ہو اور وہ کسی اور سے امید باندھے تو یہ کس قدر پستی کی بات ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ ''جو کسی امیر کے پاس جائے اور اس کے سامنے اپنی تنگی کا اظہار کرے، تو اس کے دین کا دو حصہ جاتا رہتا ہے''

آج کل کے اکثر پیروں کو دیکھا ہے کہ مریدوں کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دینے کی بجائے ان کے مال و منصب پر نظر رکھتے ہیں جس وجہ سے وہ دین کی بدنامی کا باعث بن رہے ہوتے ہیں۔

واقعہ: ایک آدمی طالب صادق تھا کسی شیخ سے بیعت تھا۔ خلوص دل سے اس

کی خدمت کرتا تھا، لیکن اس شیخ کی نظر اس کے مال پر تھی۔ ایک دن اس شخص نے ایک خواب دیکھا اور آ کر پیر صاحب کو بیان کیا۔ کہنے لگا، حضرت! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور میرے ہاتھ پر گندگی لگی ہوئی ہے۔ بس پیر صاحب نے سنا تو فوراً کہہ اٹھے کہ یہ بالکل سچا خواب ہے کیونکہ ہم دیندار لوگ ہیں، ہمارے ہاتھ پر شہد لگا ہوا ہے اور تم دنیا دار ہو اور تمہارے ہاتھ پر نجاست لگی ہوئی ہے۔ وہ کہنے لگا، حضرت! ابھی پورا خواب تو سنیں۔ پورا خواب کیا ہے؟ کہنے لگا کہ آپ نے اپنا ہاتھ میرے منہ میں دیا ہوا ہے اور میں نے اپنا ہاتھ آپ کے منہ میں دیا ہوا ہے۔ تعبیر اس خواب کی یہ تھی کہ مرید کو عقیدت کی وجہ سے شیخ سے پھر بھی فائدہ ہو رہا تھا مگر شیخ کی نظر چونکہ مرید کی جیب پر تھی اس لئے اس کو اس سے نقصان ہو رہا تھا۔

یاد رکھیں امراء اور دنیا داروں سے غرض مندانہ تعلق رکھنے سے ہم دین اور اہل دین دونوں کی تحقیر کا سبب بنیں گے۔ لہٰذا امراء وغیرہ سے تعلق رکھنے میں دینی وقار کو ہمیشہ ملحوظ رکھیں۔ ان سے ذاتی ضروریات بیان کرنے سے اجتناب کریں لیکن دینی مصالح کی بناء پر کچھ تقاضے ان کے سامنے رکھنے ہوں تو ان کو یوں دعوت دیں گویا کہ اس میں ان کا ہی فائدہ ہے، اس میں بھی ان کی مداہنت سے بچنا چاہئے۔ جس قدر استغناء برتیں گے اسی قدر آپ کی ہیبت ان پر پڑے گی۔ ہمارے اکابر تو ماشاءاللہ امراء سے اس قسم کی میل ملاقات سے بہت ہی بچتے تھے۔ ان کی تو طبیعت منقبض ہو جاتی تھی امراء کے پاس بیٹھنے سے۔ اکابر کی اس شان بے نیازی کے بے شمار واقعات ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا استغناء

انسان جب استغناء کے ساتھ کام کرتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرمایا کرتے تھے کہ جو آدمی مجھے محتاج سمجھ کر ہدیہ پیش کرے میرا دل اس کا ہدیہ قبول کرنے کو نہیں کرتا' البتہ سنت سمجھ کر پیش کرے تو میں اسے ضرور قبول کروں گا۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے آ کر آپ کو ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے محسوس کیا کہ یہ تو احسان چڑھا کر ہدیہ دے رہا ہے۔ چنانچہ آپ نے انکار کر دیا۔ مگر وہ بھی پیچھے لگا رہا کہ حضرت! قبول کیجئے' حضرت! قبول کیجئے۔ حضرت نے دو چار دفعہ کے بعد اس کو سختی سے ڈانٹ دیا کہ نہیں' میں قبول نہیں کروں گا۔ جب اس نے دیکھا کہ چہرہ پر جلال ہے تو پیچھے ہٹ گیا۔ جب مسجد سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر حضرت کے جوتوں پر پڑی۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ حضرت جب باہر نکلیں گے تو جوتے تو پہنیں گے ہی سہی' چنانچہ اس نے وہ پیسے حضرت کے جوتوں میں رکھ دیئے۔ جب حضرت مسجد سے باہر نکلے اور پاؤں جوتے میں رکھا تو اس میں پیسے تھے۔ آپ نے دیکھا اور مسکرا کر فرمایا کہ یہ وہی پیسے ہیں جو وہ آدمی ہدیہ میں پیش کر رہا تھا' پہلے سنا کرتے تھے اور آج آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جو انسان دنیا کو ٹھوکر لگاتا ہے دنیا اس کے جوتوں میں آیا کرتی ہے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ ایک مرتبہ کسی دینی ضرورت سے ریاست رامپور تشریف لے گئے۔ ریاست کے نواب کو اطلاع ہوئی کہ حضرت تشریف لائے

ہوئے ہیں تو مولانا سے ملاقات کے لئے تشریف لانے کے لئے درخواست کی مگر حضرت تشریف نہ لے گئے اور یہ عذر فرمایا کہ ہم دیہات کے رہنے والے ہیں، آداب شاہی سے ناواقف، نا جانے ہم سے کوئی ایسی بات پیش آجائے جو آداب شاہی کے خلاف ہو لہٰذا ہم تو آنے سے قاصر ہیں۔ اس کے جواب میں نواب صاحب نے کہلا بھیجا کہ آپ سے آداب کون چاہتا ہے، ہم خود آپ کا ادب کریں گے، آپ سے ملنے کا بہت اشتیاق ہے اس لئے آپ ضرور تشریف لائیں۔ جب یوں اصرار ہوا تو حضرت نے جواب میں کہلا بھیجا کہ عجیب بات ہے کہ اشتیاق تو ملنے کا آپ کو ہے اور آؤں میں لہٰذا حضرت تشریف نہ لے گئے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا استغناء

حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسنؒ کے دل میں امراء سے حد درجہ بعد پایا جاتا تھا۔ جب تک کوئی امیر پاس بیٹھا رہتا اس وقت تک حضرت کے قلب پر انقباض رہتا۔ ایک صاحب امیر شاہ خاں صاحب راوی ہیں کہ میں نواب یوسف علی خان صاحب کو بعض بزرگوں کی طرف متوجہ کرتا اور انہیں ترغیب دیتا لیکن ان کا میلان حضرت شیخ الہندؒ ہی کی طرف ہوتا تھا۔ ایک دن میں نے ان سے پوچھ لیا کہ میں آپ کو بعض مشائخ کی طرف متوجہ کرتا ہوں لیکن آپ حضرت شیخ الہندؒ کی طرف ہی رغبت رکھتے ہیں اس کی کیا وجہ۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ میں جب اور جگہوں پر جاتا ہوں تو وہ میرے جانے سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں اور میری بہت خاطر مدارت کرتے ہیں اور جب حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں جاتا ہوں تو مولانا مجھ سے طبعاً ایسی نفرت کرتے ہیں جیسے کسی سے بدبو آرہی ہو تو میں سمجھتا

وں کہ ان کے ہاں خالص دین ہے دنیا بالکل نہیں ہے اس وجہ سے میں مولانا کا یادہ معتقد ہوں۔

حضرت سہارنپوریؒ کا استغناء

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ ایک مرتبہ حج پر جانے لگے تو بمبئی کے یک سیٹھ صاحب نے اپنے کسی ملازم کے ہاتھ آپ کی خدمت میں سو (۱۰۰) وپے بھیجے۔ ساتھ ہی پیغام بھیجا کہ مجھے چونکہ حاضری کی فرصت نہیں اس لئے کسی کے ہاتھ بھجوا رہا ہوں قبول فرمائیں۔ آپ نے یہ کہہ کر واپس بھجوا دیا کہ بحمد للہ مجھے ضرورت نہیں ہے۔ آخر وہ خود آیا اور معذرت کی تب آپ نے قبول فرمایا۔ اگر کسی غریب کا ہدیہ ہوتا تو اس کی آپ بڑی تعظیم فرماتے تھے اور ایسے قبول کرتے تھے یسے آپ اس کے محتاج ہیں۔ ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کو ٹوپی پیش کی جو شائد ٹھ آنے کی بھی نہ ہوگی۔ آپ نے مسکرا کر قبول کی اور اسی وقت اس کو پہن لیا۔

حضرت اقدس تھانویؒ کا استغناء

حضرت اقدس تھانویؒ سے ایک نواب صاحب بیعت ہو گئے۔ بڑے مال یسے والے تھے۔ اس دور میں جب استاد کی تنخواہ پانچ روپے ماہانہ ہوا کرتی تھی س نے حضرت کو ایک لاکھ روپے بھجوایا۔ حضرت نے اس کے خط کی تحریر سے حسوس کیا کہ یہ تو احسان جتلا کر پیش کر رہا ہے۔ حضرت نے منی آرڈر واپس کر دیا۔ جب منی آرڈر واپس گیا تو وہ تو سٹپٹا گیا۔ اس نے پھر خط لکھا۔ کہنے لگا' حضرت! میں نے بیعت ہو کر آپ کو ایک لاکھ روپیہ ہدیہ پیش کیا' آپ کو ایسا مرید ور کہیں نہیں ملے گا۔ حضرت نے خط پڑھا اور جواب میں لکھا کہ اگر مجھے تجھ جیسا

مرید نہیں ملے گا تو تجھے بھی مجھ جیسا پیر نہیں ملے گا جو تیرے لاکھ روپے کو ٹھوکر مار دے۔

امراء کی اصلاح کریں

امراء سے استغناء تو برتنی ہی چاہئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ استغناء ان کی اصلاح میں مانع ہو جائے۔ دین تو سراسر خیر خواہی ہے اور اس خیر خواہی کے وہ بھی مستحق ہیں۔ لہٰذا نیکی اور خیر کی بات پہنچانے کی نیت سے ملنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت تھانویؒ کا ارشاد ہے کہ

''میں امراء سے تعلق کو منع نہیں کرتا تملق کو منع کرتا ہوں''

ایک اور جگہ پر فرمایا

''امراء کے پاس اپنی حاجت لے کر جانا خلاف شان علم ہے، یہ تو ظاہر ہے لیکن ان سے اپنے آپ کو اتنا کھینچنا کہ باوجود قدر دانی اور علم کی حق شناسی کے ان کی فرمائش پوری نہ کرنا یہ بھی محمود نہیں، یہ دعویٰ تقدس وتکبر ہے جس میں آج کل بہت سے اہل علم مبتلا ہیں''

محققین کا قول ہے کہ

نعم الامیر علیٰ باب الفقیر و بئس الفقیر علی باب الامیر

(کہ وہ امیر بہت اچھا ہے جو فقراء کے دروازے پر چل کر جاتا ہے اور وہ فقیر بہت برا ہے جو (اپنی حاجت کیلئے) کسی امیر کے دروازے پر جائے)

چنانچہ اس کے متعلق حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے جب امیر تمہارے دروازے پر آجائے تو اس کی عزت کرو کہ اب وہ صرف امیر نہیں بلکہ نعم الامیر ہے،

اب اس کے نعم کی تعظیم کرو۔ ہاں یہ ہے کہ اس سے اپنی کوئی حاجت نہ مانگو۔

لہٰذا ہمارے اکابرین اور مشائخ نے جب بھی دیکھا کہ امراء اور سلاطین سے مل کر اقامت دین کا فریضہ سرانجام دیا جاسکتا ہے تو انہوں نے ان سے میل ملاقات رکھنے سے دریغ نہیں کیا۔ تاریخ اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔ لہٰذا سلسلہ نقشبندیہ کے سرخیل حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کے فرزندار جمند حضرت خواجہ محمد معصومؒ نے بادشاہان وقت اور امراء سلطنت سے تعلق قائم رکھا اور ان کی اصلاح سے احیائے دین کا کام ممکن ہوا۔

شیخ کی صحبت سے مستغنی نہ ہوں

کسی طالب کو اجازت وخلافت دینے کے بعد عموماً شیخ اس کے ذمے دین کا کوئی کام لگادیتے ہیں یا کوئی علاقہ اس کے سپرد کرتے ہیں کہ یہاں دعوت وارشاد کا کام کرو۔ اس کے بعد خلیفہ مجاز کو شیخ کی صحبت درجہ ضرورت میں تو باقی نہیں رہتی لیکن مزید ترقی وکمال حاصل کرنے کیلئے شیخ کی صحبت کی ضرورت بہرحال باقی رہتی ہے۔ ویسے بھی اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی سمجھنا ادب کے خلاف دکھائی دیتا ہے۔ مشائخ سلوک کا تو یہ حال رہا ہے کہ آخری دم تک سلسلہ کے اوراد واذکار کو نہ چھوڑتے تھے اور کہتے تھے کہ جن اوراد واذکار کی برکت سے یہاں تک پہنچے ہیں اب ان کو چھوڑتے ہوئے شرم آتی ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ارشاد ہے

''شیخ کے ہوتے ہوئے اس سے استغناء بعد تکمیل کے بھی نہ چاہئے۔

کیونکہ گو مجاز ہو جانے کے بعد شیخ سے سلسلہ استفادہ جاری رکھنا درجہ ضرورت میں نہ رہے لیکن ترقیات کے لئے تو پھر بھی اس کی حاجت رہتی ہے بلکہ اکثر احوال میں یہ افادہ درجہ ضرورت میں بھی رہتا ہے لہٰذا شیخ حق سے استغنا کسی حال میں بھی نہ چاہئے جنہوں نے اپنے کو مستقل سمجھ لیا ان کی حالت متغیر ہوگئی''

لہٰذا یہ ضروری ہے کہ شیخ سے اپنے تعلق کو مضبوط رکھے اور اپنے کام کو ان کے مشورے سے سرانجام دیتا رہے۔ اسی میں برکت بھی ہے اور فتنوں سے حفاظت بھی۔ بعض مجازین کی مثالیں ایسی بھی سامنے آئیں کہ انہوں نے اپنے شیخ سے رابطہ توڑا پھر فتنوں میں ایسے پھنسے کہ نسبت کے سلب ہو جانے کی نوبت آگئی۔

ہمارے سلسلے کا مدار کیونکہ محبت وعقیدت شیخ پر ہے لہٰذا شیخ سے بے مروتی اور بے ادبی سے حصول نسبت کے بعد بھی بچنا چاہئے کیونکہ اس کا وبال بہت بڑا ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے ایک جگہ پر فرمایا کہ شیخ کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے والا باطنی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ ''شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے کیا وہ بھی قطع ہو جاتی ہے؟'' فرمایا کہ ''ہاں! شیخ کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے وہ بھی قطع ہو جاتی ہے'' گستاخی بڑی خطرناک چیز ہے گو معصیت نہیں ہے مگر خاص اثر اس کا معصیت سے بھی زیادہ ہے، اس طریق میں سب کوتاہیوں کا تحمل ہو جاتا ہے مگر اعتراض اور گستاخی کا نہیں ہوتا۔

شیخ سے استغناء کا وبال

ایک مرتبہ حضرت پیر فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ نے چند حضرات کو خلافت دی لیکن ان کی تربیت کیلئے ایک واقعہ بھی ان کو سنایا۔ فرمایا کہ ایک شیخ نے کسی مرید

کو خلافت دی۔ خلافت ملنے کے بعد بڑی تعداد میں لوگ اس سے مرید ہوئے۔ یہ دیکھ کر ان خلیفہ صاحب کا بھی رنگ ڈھنگ بدل گیا۔ عیش عشرت میں پڑ گیا اور سواری کو چھوڑ کر پالکی میں سواری شروع کر دی۔ شیخ کے پاس بھی آتا ہوتا تو اس انداز میں کہ شیخ کی قیام گاہ کے قریب ہی پالکی سے اترتا اور وہاں بھی اپنی عظمت اور رعب داب کو قائم رکھنے کی کوشش کرتا۔ پیر بھائی اس کو ادب آداب کی بات سمجھاتے تو وہ اور غصے میں آجاتا۔ حتیٰ کہ کہنا شروع کر دیا کہ مجھے تمہارے شیخ سے کیا واسطہ مجھے حضرت خضر علیہ السلام سے فیض آتا ہے۔ شیخ نے جب اس کے الفاظ سنے تو ایک دن جمعہ کے خطبہ میں فرمایا کہ جس خضر نے اس کو نسبت دی تھی وہ تو میں ہوں اس لئے میں اپنی نسبت واپس لیتا ہوں۔ اس کے بعد اس کی جماعت کو اس کی طرف ایسی نفرت ہوئی کہ اس کی محبت ختم ہو گئی اور سب کے سب بڑے حضرت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ رسوا ہو کر جنگل کی طرف نکل گیا اور پھرتے پھراتے عمر برباد کی

لئن شکرتم لا زیدنکم و لئن کفرتم ان عذابی لشدید

(اگر تم شکر کرو گے تو میں اور زیادہ دوں گا اور کفر کرو گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے)

نسبت کی نعمت چھن جانے سے ڈرتے رہیں

خلفائے کرام کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی اور اس کی خفیہ تدبیروں سے بہت ڈرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسبت کی ایک نعمت دی ہے ہم اس قابل نہ تھے یہ ہم پر اللہ کا فضل ہوا۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اس کی کسی پکڑ میں

آجائیں اور یہ نعمت واپس لے لی جائے۔ معلوم نہیں کہ ہمارے تمام اعمال کو رد کر دیا جائے اور ہمیں پھٹکار دیا جائے۔ بلعم باعور بنی اسرائیل کا بہت بڑا عبادت گزار تھا۔ پروردگار کی شان بے نیازی کا اظہار ہوا اور اس کی پانچ سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا دی گئی۔ قرآن مجید میں اس کی تشبیہ کتے کے ساتھ دی فمثلہ کمثل الکلب۔ ہم تو کسی شمار ہی میں نہیں ہیں ہمیں تو بہت ہی ڈرنے کی ضرورت ہے۔

قرآن پاک کی دو آیتیں ہیں ان دو آیتوں کو پر غور کرلے تو پھر بندہ اپنے حال پر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ ایک آیت علم کے بارے میں اور دوسری عمل کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو ارشاد فرماتے ہیں، جن کو اتنا مرتبہ دیا، اتنا مقام دیا، ان کو فرماتے ہیں لَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ اَوْحَیْنَا اِلَیْک (پ ۱۵، سورۂ اسراء، آیت ۸۶) "اگر ہم چاہیں ہم سب کچھ لے لیں جو کچھ ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو عطا کیا" تو اپنے محبوب کو جب یہ فرمارہے ہیں لَئِنْ شِئْنَا انداز دیکھئے کیا شاہانہ خطاب ہے، کیسی عظمت ہے اس خطاب میں، کیسی جلالت شان اللہ کی ظاہر ہوتی ہے لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِی ثقیلہ کا صیغہ استعمال فرمایا، تاکید کا آخری درجہ "اگر ہم چاہیں ہم ضرور بالضرور وہ سب کچھ لے لیں جو ہم نے آپ کے اوپر وحی کے ذریعہ نازل کیا" تو ہمارا علم کس کام کا، ہم اپنے علم پر کیا عجب کر سکتے ہیں،

دوسری آیت عمل کے بارے میں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے محبوب سے، سید الکونین سے، امام الانبیاء امام الملائکہ سے وَلَوْلَا اَنْ ثَبَّتْنٰکَ "اے

محبوب اگر ہم آپ کو ثابت قدمی نہ دیتے" لَقَدْ کِدْتَّ تَرْکَنُ اِلَیْهِمْ شَیْئًا قَلِیْلًا اِذًا لَّاَذَقْنٰکَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَکَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا (پ۱۵، سورۂ اسراء، آیت ۷۴) ان آیات کا ترجمہ کرنے کی ہمت اس عاجز میں نہیں ہے۔

اس آیت کو پڑھ کر ذرا غور کیجئے! کہ اللہ رب العزت کی ذات کتنی عظمتوں والی ہے۔ اپنے محبوب کو یہ الفاظ فرمائے (اللہ اکبر) تو پھر کیا ہم اپنے عمل پر ناز کر سکتے ہیں؟ تو جس نے ان دو آیتوں پر غور کر لیا وہ اپنے علم اور عمل پر ناز نہیں کر سکتا۔ اس کی گردن جھکی رہے گی، وہ ڈرتا کانپتا رہے گا، اس میں "میں" نہیں آئے گی۔

جو جتنا علم والا ہوگا، جتنا عمل والا ہوگا، جتنا معرفت والا ہوگا وہ نیکی بھی زیادہ کر رہا ہوگا مگر ساتھ ہی ساتھ ڈر بھی رہا ہوگا، وہ کانپ رہا ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے پروردگار کے غصے کو۔ وہ جانتا ہے پروردگار کی ناراضگی کو، وہ جانتا ہے پروردگار کی عظمتوں کو، اور اسے پتہ ہے کہ جب پروردگار کی بے نیازی کا معاملہ ہوتا ہے تو پھر تو وہاں پر بڑے بڑوں کو پھٹکار دیا جاتا ہے، اس لئے پھر ڈر کر اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آہ وزاریاں کرتے رہیں کہ اے اللہ! میں تیری بے نیازی سے ڈرتا ہوں، میں تیری خفیہ تدبیر سے ڈرتا ہوں، اے اللہ! تو نے جو ایمان کی دولت عطا فرمائی ہے موت تک اسے سلامتی کے ساتھ پہنچا دینا۔ اے اللہ! تو نے جو اپنی معرفت عطا کی ہے موت تک اسے محفوظ پہنچانے کی توفیق دے دینا۔

شیخ عبداللہ اندلسیؒ کا سبق آموز واقعہ

شیخ عبداللہ اندلسیؒ حضرت شبلیؒ کے پیر تھے۔ عیسائیوں کی بستی کے قریب سے

گزر رہے تھے۔ اس بستی کے اوپر صلیبیں لٹک رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک کنوئیں پر عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے وضو کرنے گئے۔ وہاں کسی لڑکی پر نظر پڑی۔ شیخ کا سینہ وہیں خالی ہوگیا۔ اپنے مریدین سے کہنے لگے، جاؤ واپس چلے جاؤ، میں ادھر جاتا ہوں جدھر یہ لڑکی گئی ہے۔ میں اس کی تلاش میں جاؤں گا۔ مریدین نے رونا شروع کردیا۔ کہنے لگے، شیخ! آپ کیا کررہے ہیں؟...... یہ وہ شیخ تھے جن کو ایک لاکھ حدیثیں یاد تھیں، قرآن کے حافظ تھے، سینکڑوں مسجدیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں، خانقاہیں ان کے دم قدم سے آباد تھیں۔ انہوں نے کہا، میرے پلے کچھ نہیں جو میں تمہیں دے سکوں، اب تم چلے جاؤ۔

شیخ ادھر بستی میں چلے گئے۔ کسی سے پوچھا کہ فلاں لڑکی کہاں کی رہنے والی ہے۔ اس نے کہا کہ یہ یہاں کے نمبردار کی بیٹی ہے۔ اس سے جا کر ملے۔ کہنے لگے، کیا تم اس لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کرسکتے ہو؟ اس نے کہا، یہاں رہو، ہماری خدمت کرو، جب آپس میں موانست ہو جائے گی تو پھر آپ کا نکاح کردیں گے۔ چنانچہ انہوں نے کہا، بالکل ٹھیک ہے۔ وہ کہنے لگا، آپ کو سؤروں کا ریوڑ چرانے والا کام کرنا پڑے گا۔ شیخ اس پر بھی تیار ہوگئے اور کہنے لگے کہ ہاں میں خدمت کروں گا۔ اب کیا ہوا؟ صبح کے وقت سؤر لے کر نکلتے، سارا دن چرا کر شام کو واپس آیا کرتے۔

ادھر مریدین جب واپس گئے۔ اور یہ خبر لوگوں تک پہنچی تو کئی لوگ تو بے ہوش ہوگئے، کئی موت کی آغوش میں چلے گئے اور کئی خانقاہیں بند ہوگئیں۔ لوگ حیران تھے کہ اے اللہ! ایسے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی تیری بے نیازی کا یہ معاملہ ہوسکتا ہے۔

ایک سال اسی طرح گزر گیا۔ حضرت شبلیؒ سچے مرید تھے، جانتے تھے کہ میرے شیخ صاحب استقامت تھے، مگر اس معاملہ میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ ان کے دل میں بات آئی کہ میں جا کر حالات معلوم کروں۔ چنانچہ اس بستی میں آئے اور لوگوں سے پوچھا کہ میرے شیخ کدھر ہیں۔ کہا، تم فلاں جنگل میں جا کر دیکھو، وہاں سؤر چرا رہے ہوں گے۔ جب وہاں گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہی عمامہ، وہی جبہ اور وہی عصا جس کو لے کر وہ جمعہ کا خطبہ دیا کرتے تھے، آج اسی حالت میں سئوروں کے سامنے کھڑے سؤر چرا رہے ہیں۔ شبلیؒ قریب ہوئے۔ پوچھا، حضرت! آپ تو قرآن کے حافظ تھے، آپ بتایئے کہ کیا آپ کو قرآن یاد ہے؟ فرمانے لگے، قرآن یاد نہیں۔ پھر پوچھا، حضرت! کوئی ایک آیت یاد ہے، سوچ کر کہنے لگے، مجھے ایک آیت یاد ہے۔ پوچھا، کونسی آیت؟ کہنے لگے "وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهُ مِنْ مُكْرِمٍ" جسے اللہ ذلیل کرنے پرآتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ پورا قرآن بھول گئے اور صرف ایک آیت یاد رہی جو کہ ان کے اپنے حال سے تعلق رکھتی تھی۔ حضرت شبلیؒ رونے لگ گئے کہ حضرت کو صرف ایک آیت یاد رہی۔ پھر پوچھا، حضرت! آپ تو حافظ حدیث تھے کیا آپ کو حدیثیں یاد ہیں؟ فرمانے لگے، ایک یاد ہے "مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهُ فَاقْتُلُوْهُ" جو دین کو بدل دے اسے قتل کردو۔ یہ سن کر شبلیؒ پھر رونے لگے تو انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ شیخ روتے رہے اور روتے ہوئے انہوں نے کہا، اے اللہ! میں آپ سے یہ امید تو نہیں کرتا تھا کہ مجھے اس حال میں پہنچا دیا جائے گا۔ رو بھی رہے تھے اور یہ فقرہ بار بار کہہ رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے شیخ کو توبہ کی توفیق عطا فرمادی اور ان کی کیفیتیں واپس لوٹا دیں

۔ پھر بعد میں شبلیؒ نے پوچھا، یہ سارا معاملہ کیسے ہوا؟ فرمایا، میں بستی کے قریب سے گزر رہا تھا۔ میں نے صلیبیں لٹکتی ہوئی دیکھیں تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے کم عقل لوگ ہیں، بے وقوف لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس بات پر پکڑ کر لی کہ عبداللہ! اگر تم ایمان پر ہو تو کیا یہ تمہاری عقل کی وجہ سے ہے یا میری رحمت کی وجہ سے ہے، یہ تمہارا کمال نہیں ہے یہ تو میرا کمال ہے کہ میں نے تمہیں ایمان پر باقی رکھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی دولت کو سینے سے نکال لیا کہ اب دیکھتے ہیں تم اپنی عقل پر کتنا ناز کرتے ہو۔ تم نے یہ لفظ کیوں استعمال کیا، تمہیں یہ کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے ان کو محروم کر دیا ہے، تم نے عقل اور ذہن کی طرف نسبت کیوں کی؟

یہ واقعہ ہماری عبرت کے لئے کافی ہے کہ جب حالات اولتے بدلتے ہیں ایسے بڑے بڑے مشائخ کے احوال بھی بدل سکتے ہیں۔ اللہ رب العزت ہمارے ایمان اور ہماری نسبت کی حفاظت فرمائے۔ آمین

عوام الناس کی خدمت میں

اب کچھ وہ باتیں بیان کی جاتی ہیں جو عوام الناس اور عام سالکین طریقت کو خلفاء حضرات کے بارے میں پیش نظر رکھنی چاہئیں۔

مشائخ کا ادب کریں

جن حضرات کو نسبت یا خلافت ملتی ہے وہ چنے ہوئے بندے ہوتے ہیں اور جماعت کے پیشوا اور رہبر ہوتے ہیں۔ تصوف وسلوک کی محنت میں تو ہر مومن کے

اکرام اور تعظیم کا درس دیا جاتا ہے کہ ہر ایک کو اپنے سے افضل سمجھنا چاہئے اور اپنے آپ کو ان کا خادم سمجھنا چاہئے۔ جب کہ خلفائے کرام کا تو معاملہ پھر اور زیادہ خصوصی ہوتا ہے۔ ان کو اپنے مشائخ کے ہاں قبولیت نصیب ہوتی ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت ہوتی ہے۔ یہ عالم باللہ ہیں اور نبی علیہ السلام کے وارث ہیں۔ لہٰذا ان کا ادب واحترام ملحوظ رکھنا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"وہ شخص جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے ہمارے بچوں پر رحم نہ کرے، ہمارے علماء کی قدر نہ کرے وہ ہماری امت میں سے نہیں"

ایک اور حدیث مبارکہ میں فرمایا:

"تین شخص ایسے ہیں کہ ان کو خفیف سمجھنے والا منافق ہی ہوسکتا ہے، ایک بوڑھا مسلمان، دوسرا عالم، تیسرا منصف حاکم"

یہ حضرات ہمارے بڑے بھی ہیں اور اہل علم بھی ہیں لہٰذا ان کی تعظیم وقدر نہ کی جائے تو احادیث میں بیان کی گئی ان وعیدوں میں داخل ہونے کا خدشہ ہے۔

اللہ والوں کے ادب میں جتنی احتیاط کریں کم ہے۔ ان کی ہلکی سی بے ادبی بھی انسان کے لئے کسی بڑے نقصان کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ معمولی سی بات پر بھی ان کے دل کی رنجش سے بچنا چاہئے۔ خدانخواستہ کبھی کوئی ایسی بات ہوجائے تو ان سے فوراً معافی مانگنی چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ایک واقعہ سے ہمیں اس بات کا سبق بھی ملتا ہے۔

حضرت ربیعہ اسلمی ؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی بات پر میرے اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ میں کچھ بات بڑھ گئی انہوں نے مجھے کوئی سخت لفظ کہہ دیا جو مجھے

ناگوار گزرا۔ فوراً ان کو خیال ہوا مجھ سے فرمایا تو بھی مجھے کہہ دے تاکہ بدلہ ہو جائے۔ میں نے کہنے سے انکار کر دیا تو انہوں نے فرمایا کہ یا تو کہہ لو ورنہ میں حضور ﷺ سے جا کر عرض کروں گا۔ میں نے اس پر بھی جوابی لفظ کہنے سے انکار کیا تو وہ اٹھ کر چلے گئے۔ بنو اسلم کے کچھ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ یہ بھی اچھی بات ہے۔ خود ہی تو زیادتی کی اور خود ہی الٹی حضور ﷺ سے شکایت کریں۔ میں نے کہا تم جانتے بھی ہو یہ کون ہیں۔ یہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اگر یہ خفا ہو گئے تو اللہ کا لاڈلا رسول ﷺ مجھ سے خفا ہو جائے گا۔ اور ان کی خفگی سے اللہ جل شانہ مجھ سے ناراض ہو جائیں گے پھر ربیعہ تو ہلاک ہو جائے گا۔ اس کے بعد میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ٹھیک ہے تجھے جواب میں یوں کہنا نہ چاہئے البتہ اس کے بدلہ میں یوں کہہ کہ اے ابو بکر رضی اللہ عنہ اللہ تجھے معاف فرمائیں۔

اس واقعہ میں جہاں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا خوف خدا عیاں ہوتا ہے وہاں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ دوسرے صحابی حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رنجش سے ان کی حضور ﷺ اور اللہ تعالیٰ سے نسبت ہونے کی بناء پر کس قدر ڈر رہے تھے کہ اس سے انہیں اپنی ہلاکت کا خدشہ تھا۔

تو اس واقعہ سے ہمیں سبق ملتا ہے کہ اللہ والوں کے دلوں کے تکدر سے بچنا چاہئے چاہے آپ حق پر ہوں یا نہ ہوں۔

حضرت حکیم الامتؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

”گو میں خود کوئی چیز نہیں ہوں لیکن جب کسی نے کسی کو اپنا معتقد فیہ بنا لیا اور پھر بلا وجہ اس کے ساتھ خلاف اعتقاد معاملہ کر کے اس کو مکدر کر دیا تو اس

صورت میں بھی ایسی ہی مضرتیں پہنچیں گی جیسی کاملین اور مقبولین کو مکدر کرنے سے پہنچتی ہیں''

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد صاحب سے ایک بات سن رکھی تھی کہ اللہ والوں سے ڈرتے رہنا کہ ان کی الٹی بھی سیدھی ہوتی ہے۔ اس کا مطلب میری سمجھ میں نہ آتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے حضرت اقدس مولانا عبدالقادر رائپوریؒ سے اس کا مطلب پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ تو صحیح ہے کہ الٹی بات الٹی ہوتی ہے لیکن اہل اللہ کے قلوب میں اگر کسی کی طرف سے تکدر پیدا ہو جائے خواہ وہ کسی غلط بات سے ہی ہو ان کے پاک دل کا تکدر رنگ لائے بغیر نہیں رہتا وہ اس شخص کو کسی مصیبت میں پھانس دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اہل اللہ کی بے ادبی سے اور ان کی دل شکنی سے محفوظ فرمائے۔

تنقید اور اعتراض سے بچیں

عوام الناس کو چاہئے کہ وہ مشائخ پر تنقید اور اعتراض سے اجتناب فرمائیں۔ مشائخ جو بھی کوئی کام سرانجام دیتے ہیں حکمت و دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔ کسی کو اگر ان کے کسی کام پر اعتراض ہوتا ہے تو اس کی وجہ عموماً ان کی اپنی کم فہمی ہوتی ہے۔ وہ بذات خود بعض حقائق سے لاعلم ہوتے ہیں لیکن اعتراض ان پر کرتے ہیں۔ یہ محض اپنی کوتاہ بینی اور کم ظرفی ہوتی ہے۔ بہتر یہی ہوتا ہے کہ ان حضرات کے کسی کام میں کوئی کمی بیشی نظر آئے بھی تو اس کی کوئی مناسب تاویل کر لی جائے لیکن ان کو تنقید و تنقیص کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ شرع شریف کا حکم ہے کہ مجتہد کا اجتہاد صحیح ہو تو اسے دو ثواب ملتے ہیں اور اگر غلط ہو تو ایک ثواب ملتا

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر صاحب نسبت سالک کیلئے مجتہد کے درجے پر ہوتا ہے۔ اگر اس کا کوئی امر خطا بھی ہو تو یہ اس کی اجتہادی غلطی شمار ہوگی اور اسے ایک درجہ ثواب کا اس پر بھی ملے گا البتہ اس پر اسے ملامت کرنے والوں کا معاملہ خطرے میں ہے۔

تاہم بعض اوقات بتقاضائے بشریت ان سے بھی کوئی لغزش واقع ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ بہر حال انسان ہیں اور بشری عوارض تو ان کے ساتھ بھی لگے ہوئے ہیں لیکن اس صورت میں بھی ان پر اعتراض وملامت سے بچا جائے۔ کیونکہ بعید نہیں کہ ان کی نسبت کا نور ان کی لغزشوں کو بہالے جائے لیکن ان کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنے والے ہلاکت میں پڑ جائیں۔ حضرت معاذؓ نے تو اس بارے میں ایک اہم وصیت فرمائی ہے جو ابوداؤد شریف میں بہت تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں حکیم سے بھی بعض باتیں گمراہی کی نکل جاتی ہیں اور منافق بھی بعض مرتبہ کلمۃ الحق کہہ دیتا ہے۔ شاگرد نے عرض کیا اللہ آپ پر رحم کرے ہمیں کس طرح معلوم ہو کہ یہ حکیم کی بات گمراہی کی ہے۔ حضرات معاذؓ نے ارشاد فرمایا کہ حکیم کی ایسی باتوں سے اجتناب کرو جس کو لوگ یوں کہیں کہ فلاں نے یہ عجیب بات کہہ دی ہے، لیکن یہ بات تجھے اس حکیم سے دور نہ کردے، کیا بعید ہے کہ وہ حکیم تو عنقریب اپنی بات سے رجوع کرلے اور تو ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جائے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ علمائے حقہ کی غلط بات میں ان کی پیروی تو نہ کی جائے اور نہ ہی ان کے اس قسم کے قول وفعل کا اتباع کیا جائے لیکن ان پر ملامت بھی نہ کی جائے۔ کیونکہ اپنے نور کی نسبت کی وجہ سے وہ جلد ہی اپنی خامی پر مطلع ہو کر توبہ تائب ہو جاتے ہیں۔ ان کا راتوں کو اٹھ کر رونا نہ صرف اس کا

کفارہ بلکہ فاولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات کا مصداق بن جاتا ہے۔ لیکن ان پر سب وشتم کرنے والے ہمیشہ کیلئے ان کی برکات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اس وسوسے سے بچیں کہ فلاں کو خلافت کیوں ملی

بعض حضرات کے دل میں یہ اشکال بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں کو اجازت و خلافت کیوں مل گئی۔ اس اشکال پر غور کیا جائے تو دراصل یہ شیخ پر ہی اعتراض ہے۔ گویا کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے ہی اجازت دے دی ہے۔ تمہیں کیا معلوم کہ شیخ نے کس باریک بینی اور دور اندیشی سے اس کو اجازت دی ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ نسبت کی چار قسموں میں سے اس کو کونسی نسبت حاصل ہے اور شیخ نے اس سے کب کہاں اور کیا کام لینا ہے۔ کسی کو مجاز کرنے میں جو بھی حکمتیں ہیں وہ شیخ ہی بہتر جانتے ہیں۔ اگر کسی کو خلفاء میں سے کسی سے اعتقاد یا قلبی مناسبت نہیں تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بیعت نہ ہو۔ لیکن اس سے سوءظن رکھنا اور اس کا رد کرنا یہ تو مناسب نہیں۔

حضرت شیخ الحدیثؒ اپنی کتاب یادایام میں لکھتے ہیں

''مجھے چند سالوں سے ایک لغو سوال کثرت سے خطوط میں کیا جا رہا ہے کہ فلاں نے فلاں کو اجازت بیعت کیوں دے دی۔ تو میں ان لغویات کا جواب اکثر یہ دیا کرتا ہوں جب قبر میں منکر نکیر تم سے یہ سوال پوچھیں تو تم بے تکلف یہ کہہ دینا مجھے خبر نہیں۔ آخرت کا معاملہ بڑا سخت ہے اور عجب پندار اور دوسروں کی تحقیر تنقیص یہ نہایت خطرناک امور ہیں۔ ان سے بچنا چاہیے''

واقعہ:

کسی جگہ پر ایک کامل بزرگ تھے جن کی خانقاہ پر بہت سے طالبین اللہ اللہ سیکھنے کے لئے جمع رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص کہیں باہر سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میں اپنی نفس کی اصلاح کروانا چاہتا ہوں لہٰذا مجھے بھی اپنے خدام میں شامل فرمالیں اور یہاں قیام کی اجازت مرحمت فرمادیں۔ انہوں نے اسے بیعت کر کے وہاں رہنے کی اجازت دے دی اور کچھ ذکر اذکار اور معمولات اس کو بتادیئے۔ وہ شخص وہاں رہ کر اصلاح نفس کے کام میں مشغول ہوگیا اور جو کوئی حالت اس کو پیش آتی اس کی اطلاع اپنے شیخ کو کرتا اور جو کچھ وہ تعلیم کرتے اس پر عمل کرتا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان بزرگوں نے اس شخص کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا کہ یہاں قیام سے جو تمہارا مقصود تھا وہ بفضلہ تعالیٰ تم کو حاصل ہوگیا ہے اب تم کو مزید قیام کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے بعد اس کو خلعت خلافت سے نوازا اور وطن واپس رخصت کر دیا۔ اب جو دوسرے طالبین کافی عرصہ سے وہاں حاضر تھے ان کے دل میں بڑا یہ احساس ہوا کہ ہم جو اتنے سالوں سے یہاں محنت کر رہے ہیں ہمیں تو اتنا فائدہ نہ ہوا اور اس شخص کو چند ہی روز میں اتنا کچھ مل گیا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ شیخ کو ہماری طرف اتنی توجہ نہیں ہے۔

شیخ کو کشف سے ان کے وسوسے کی اطلاع ہوگئی اور اس کا جواب انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں دیا۔ ایک دن انہوں نے اپنے مریدوں کو حکم دیا کہ جنگل سے کافی تعداد میں گیلی لکڑی اکٹھی کر کے ہمارے پاس لے آؤ۔ خدام نے حکم کی بجا آوری کی اور گیلی لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آئے۔ اب شیخ نے حکم دیا کہ ان کو

گ لگاؤ۔ مریدوں نے آگ لگانے کی کوشش کی، وہ چونکہ گیلی تھیں لہٰذا آگ
پکڑتی ہی نہ تھیں۔ کافی دنوں کی محنت کے بعد ان میں کچھ آگ لگی۔ اس کے بعد
شیخ نے کہا کہ اب خشک لکڑیاں اکٹھی کر کے لے آؤ۔ خدام نے تعمیل کی۔ فرمایا
ب ان کو آگ لگاؤ۔ چنانچہ ان کو بھی جلایا گیا، جیسے دیا سلائی جلا کر رکھی فوراً سب
کڑیوں نے آگ پکڑ لی اور ذرا سی دیر میں سب لکڑیاں جل کر راکھ ہو گئیں۔
حضرت شیخ نے ان سے دریافت کیا کہ بھئی کیا بات ہے کہ پہلے جو لکڑیاں لائی
گئیں ان کو جلانے کے لئے تو اتنی محنت کرنی پڑی اور یہ لکڑیوں ذرا سی دیر میں ہی
جل گئیں۔ مریدوں نے کہا حضرت پہلی لکڑیاں چونکہ گیلی تھیں اس لئے آگ نہ لگی
اور دوسری چونکہ خشک تھیں اس لئے فوراً جل گئیں۔ شیخ نے فرمایا درست ہے۔ اس
تجربہ سے ہمارا مقصد تم کو اصل حقیقت سے آشکار کرنا تھا۔ فلاں شخص جو کچھ دن
ہمارے پاس رہ گیا ہے اللہ نے اس پر فضل فرمایا اور وہ جلدی ہی کامیاب ہو کر لوٹ
گیا اس پر تمہیں تعجب ہوا کہ وہ کیوں اتنی جلدی نوازا گیا اور ہم محروم ہیں۔ تمہیں یہ
شبہ ہے کہ ہماری تمہارے اوپر پوری توجہ نہیں ہے۔ یاد رکھیں تمہارا یہ خیال بالکل
غلط ہے ہم کو جیسی توجہ اس کی طرف تھی ویسی ہی تمہاری طرف ہے۔ وہ جو جلد
کامیاب ہو گیا تو اس وجہ سے کہ اس کا حال خشک لکڑی جیسا تھا اور تمہیں دیر لگ
رہی ہے تو اس وجہ سے کہ تمہارا حال گیلی لکڑیوں جیسا ہے۔ وہ جب یہاں آیا تو
آنے سے پہلے ہی اتنی محنت مجاہدے کر چکا تھا کہ اس کے نفس کی رطوبات خشک ہو
چکی تھیں اور ہماری تعلیمات پکڑنے کی استعداد اس میں پیدا ہو چکی تھی لہٰذا اس پر
فوری اثر ہو گیا۔ تم کو چونکہ یہاں آنے سے قبل مجاہدات کی حرارت لگی ہی نہیں
تھی لہٰذا تمہارے اندر رذائل نفس کی رطوبات موجود ہیں لہٰذا ان رطوبات کو خشک

کرنے کیلئے کچھ وقت اور محنت درکار ہے۔ جیسے ہی تمہارے اندر استعداد پیدا ہو گی وصول ہونے میں دیر نہ لگے گی۔ لہٰذا اطمینان سے محنت میں لگے رہیں ایک دن آئے گا تمہارے اوپر بھی اللہ کا ایسا ہی فضل ہو جائے گا جیسا کہ اس پر ہوا۔

الغرض کہ لوگوں کو یہ سمجھنا چاہئے کہ شیخ اپنے مریدین کی استعداد کو زیادہ بہتر سمجھتے ہیں۔ وہ کسی کو کچھ نوازتے ہیں تو اس کی حکمتیں وہی جانتے ہیں دوسروں کو تو اپنے کام میں لگا رہنا چاہئے۔

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

اس بحث سے پرہیز کریں کہ مشائخ میں سے کون افضل ہے

سالکین ومتوسلین بعض اوقات اس بحث میں پڑے رہتے ہیں کہ فلاں شیخ افضل ہیں یا فلاں۔ یہ ایک فضول بحث ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں **فضلنا بعضھم علی بعض** سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ بعض بزرگان بعض سے افضل ہیں لیکن ہم اتنا مرتبہ اور مقام کہاں رکھتے ہیں کہ ان کے فضائل ومناقب کا موازنہ کرتے رہیں کہ فلاں اوپر کے درجے پر اور فلاں نچلے درجے پر ہے۔ بس ہر ایک پھول کا اپنا ایک رنگ ہے اپنی خوشبو ہے۔ جس کو جو پھول پسند ہے وہ اس سے استفادہ کرے۔ کسی دوسرے سے اپنی پسند کو زیادہ بہتر جتانے کے لئے بحث کرنا ایک لایعنی امر ہے، اس سے بچنا چاہئے۔ البتہ اپنے مرشد کو باقی تمام پر باعتبار محبت فضیلت دینے میں مضائقہ نہیں کہ باپ سے محبت چچا کی نسبت تو بہر حال زیادہ ہوتی ہی ہے۔ اور اس میں آدمی معذور ہے۔

چنانچہ حضرت گنگوہیؒ کا قول کہ اگر ہمارے سامنے ایک طرف ہمارے شیخ حضرت حاجی صاحبؒ اور دوسرے طرف حضرت جنید بغدادیؒ بیٹھے ہوں تو میں تو

اپنے شیخ کی طرف ہی متوجہ ہوں گا اور دوسری طرف آنکھ اٹھا کے ہی نہ دیکھوں گا۔

قرآن کریم میں ایک آیت ہے

تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض منهم من کلم الله و رفع بعضهم درجات

یہ رسول ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت دی اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوئے اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز فرمایا

حضرت اقدس حکیم الامتؒ اس آیت سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض اولیاء کو بعض پر صرف رائے سے ترجیح نہ دینا چاہئے۔ البتہ ان کے واقعات کا ذکر کردینا چاہئے، جیسا کہ یہاں منهم من کلم الله مذکور ہے۔ یعنی ان کے واقعات سے ان کے فضائل ومناقب تو بیان کردینے چاہئیں۔ لیکن ان کا موازنہ کرنے کے درپے نہیں رہنا چاہئے کہ فلاں بلند درجات رکھتے ہیں اور فلاں کم درجات رکھتے ہیں۔ اس میں ان کی گستاخی کا امکان ہے اور اولیاء اللہ کی گستاخی سے ڈرنا چاہئے۔

ایک وقت میں ایک ہی شیخ کی طرف میلان رکھیں

بعض لوگوں کو دیکھا گیا کہ وہ جگہ جگہ بیعت ہوتے رہتے ہیں۔ بس جس بزرگ کے پاس بھی گئے وہیں بیعت ہوگئے۔ ایسا ان کی جہالت کی بناء پر ہوتا ہے۔ ان کو پتہ ہی نہیں شیخ بنانے کا مقصد کیا ہے اور اس کے تقاضے کیا ہیں۔ اور بعض سالکین کو دیکھا کہ بیعت ایک شیخ سے ہوتے ہیں، صحبت کسی دوسرے بزرگ کی اٹھاتے ہیں کیفیات کسی تیسرے شیخ کو بتاتے ہیں۔ یہی بات ان کی

ترقی میں مانع ہوتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اپنی توجہ کا قبلہ کسی ایک ہی طرف رکھنا چاہئے اور ایک شیخ کی ذات کے ساتھ یکسو ہو کر جڑ جانا چاہیے تبھی حقیقی فائدہ ہو سکتا ہے۔ ہاں شیخ اگر کسی کی صحبت میں رہنے کا یا ان سے مشورہ کرنے کا حکم دیں تو علیحدہ بات ہے۔ اس صورت میں بھی اسے اگر اسے کسی کچھ فائدہ ہو تو اسے بھی اپنے شیخ کی طرف سے سمجھے کہ یہ ان کا ہی فیض ہے جو مجھے اس صورت میں مل رہا ہے۔

مشائخ وقت کا متقدمین سے موازنہ نہ کریں

ایک سوچ جو آج عوام الناس میں پائی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مشائخ وقت کا موازنہ اولیائے سلف سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج ہمیں جنید بغدادیؒ اور بایزید بسطامیؒ نظر نہیں آتے ہم کہاں جائیں۔ یہ ایک بہت بڑا شیطانی دھوکا ہے جو ان کو لگا ہوا ہے جس کی وجہ سے وہ ان مشائخ کے فیض سے بھی محروم رہ جاتے ہیں جو اس وقت موجود ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ جیسے جیسے نبی علیہ السلام سے زمانے کا بعد ہو رہا ہے انوارات وفیوضات میں مسلسل کمی آ رہی ہے۔ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ

"سب سے بہتر میرا زمانہ ہے اور پھر اس کے بعد والا اور پھر اس کے بعد والا"

تو یہ جو زمانہ خیر سے دوری ہو رہی ہے اس کا اثر ہر ایک چیز پر ہے۔ اشیاء پر بھی ہے عوام الناس پر بھی ہے مریدوں پر بھی ہے اور مشائخ پر بھی ہے۔ چنانچہ صحابہ کا موازنہ خود حضور ﷺ کی ذات سے تو نہیں کیا جا سکتا، اور تابعین کا موازنہ صحابہ کی عظمت سے نہیں کیا جا سکتا، تبع تابعین کا تابعین سے نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسے ہی یہ سلسلے آگے چل رہا ہے۔ لہٰذا آج کے مشائخ کو اگر جنیدؒ وشبلیؒ کے مقابلے

میں دیکھیں گے تو زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ لیکن اگر آج کے مشائخ کو موجودہ وقت کے تناظر میں دیکھیں گے تو وہی وقت کے جنید وشبلی نظر آئیں گے۔ اگر آج مشائخ کی بزرگی اور استعداد پہلے بزرگوں جیسی نظر نہیں آتی تو آج کے مریدوں میں بھی تو وہ استعداد نہیں ہے جو اُن کے مریدوں میں تھی۔ بھلا آج حبیب عجمیؒ جیسے مرید ہیں جو حضرت جنید بغدادیؒ کے مرید تھے، بالکل نہیں ہیں۔ جس درجے کے طالب آج موجود ہیں ان کی طلب اور استعداد کے لحاظ سے یہ مشائخ کافی ہیں جو آج اللہ نے دنیا میں بھیج دیئے ہیں۔ کیونکہ شیخ سے تعلق کا مقصد اصلاح ہے اور ان اجازت یافتہ حضرات کو اللہ تعالیٰ نے اتنی صلاحیت دے رکھی ہے کہ وہ ان کی اصلاح کر سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ نے بھی تو حجت پوری کرنی ہے تاکہ روز قیامت کوئی یہ بہانہ نہ کر سکے ہمارے پاس تو کوئی آیا نہیں تھا۔ اس وقت پھر اقرار کریں گے۔

قالو بلیٰ قد جاء نا نذیر فکذ بنا و قلنا ما نزل اللہ من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر

(کہیں گے کہ ہاں ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا مگر تم صریح گمراہی پر ہو)

لہٰذا جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ کوئی نظر نہیں آتا وہ دھوکے میں ہیں۔ اور یہی دھوکہ اس سالک کو بھی لگتا ہے جس کے شیخ انتقال کر جائیں تو پیچھے اس کو اپنے شیخ جیسا کوئی نظر نہیں آتا۔ یہ بات تو فطری ہے کہ شیخ جیسا کوئی نہیں ہوگا لیکن شیخ کے بعد جو کوئی اجازت یافتہ حضرات موجود ہیں اب وہی آپ کیلئے نعمت غیر مترقبہ ہیں۔ کفران نعمت نہ کریں ان سے استفادہ کرلیں ورنہ کل کو یہ نعمت بھی نہ رہے گی۔ اور

اس وقت پھر پچھتائیں گے کہ اب ان جیسے بھی نظر نہیں آتے۔ وما علینا الا البلغ المبین○